سماجی انصاف کے لیے متحرک کرنے کی سہم

تحریر برائے تبادلہ خیال، جنوری 2008ء

جنوبی ایشیا میں غربت کی روک تھام

پاکستان میں بین الاقوامی نقل مکانی اور ترسیلات کی اہمیت

اے۔ ارسلان

پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف لیبر ایجوکیشن اینڈ ریسرچ

PILER

سماجی انصاف کے لیے متحرک کرنے کی مہم

تحریر برائے تبادلۂ خیال، جنوری 2008ء

جنوبی ایشیا میں غربت کی روک تھام

پاکستان میں بین الاقوامی نقل مکانی اور ترسیلات کی اہمیت

اے. ارسلان، پائلر

ترجمہ: عبدالسلام سلامی

صفحہ سازی: احمد گرافکس

ناشر:

پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف لیبر ایجوکیشن اینڈ ریسرچ

پائلر سینٹر، ایس ٹی 001، سیکٹر X، گلشنِ معمار، کراچی۔

فون: 47-1145 635، فیکس: 0354 635

پاکستان میں بین الاقوامی نقل مکانی اور ترسیلات کی اہمیت

بڑے تجارتی خسارے کے باوجود حالیہ برسوں میں زرِ مبادلہ کے ذخائر میں تیزی سے اضافہ ہوتا نظر آیا ہے۔ اس میں اضافی بیرونی قرضے اور خفیہ امریکی امداد کے علاوہ بڑھتی ہوئی ترسیلاتِ زر کا بھی کردار ہے۔ کیا قومی دولت میں اس اضافے میں ان لوگوں کو حصہ ملا ہے جو سب سے زیادہ مستحق ہیں؟ کیا غریب افراد کو پائیدار بنیادوں پر کوئی خاص فائدہ ہوگا؟

اقتصادی جائزے میں حکومت نے دعویٰ کیا ہے کہ پاکستان کی سالانہ فی کس آمدنی 800 ڈالر سے زیادہ --یعنی پی پی پی اکائیوں میں

شکل 1

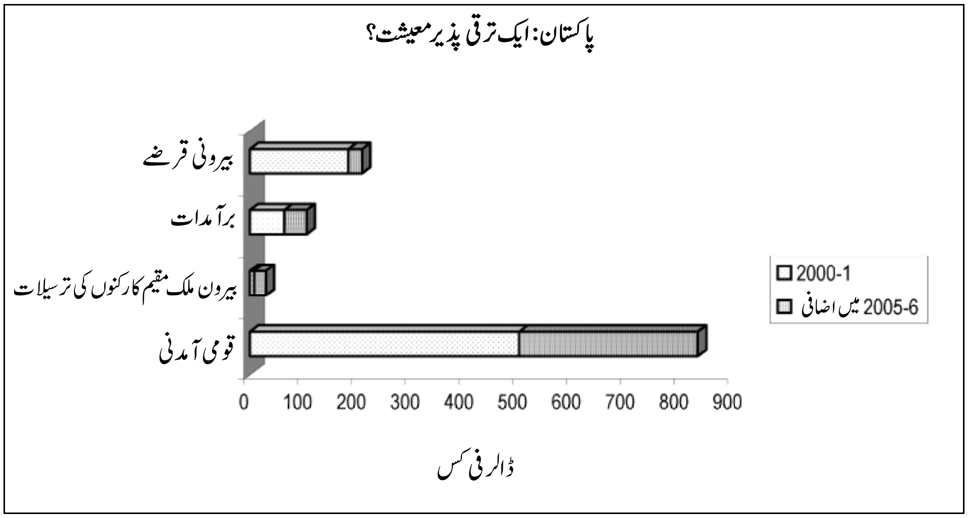

تقریباً 2,500 ڈالر اور لگ بھگ 50,000 روپے ہے۔ بیرون ملک مقیم کارکنوں کی ترسیلات اب 5 ارب ڈالر سے متجاوز ہیں۔ خواہ ترقی کے ہزار سالہ اہداف (MDGs) کا خطِ افلاس (ایک ڈالر یومیہ فی کس) استعمال کیا جائے یا سرکاری خطِ افلاس (تقریباً 1000 روپے فی کس ماہانہ)، ایک ایسے ملک میں جہاں آمدنی کی تقسیم کسی حد تک غیر مساوی ہے، غربت (بلحاظ آمدنی) صفر ہونی چاہیے۔ چاہے 2000-01ء سے ہونے والی 300 ڈالر کی اضافی قومی آمدنی بھی 2005-06ء میں غریبوں کی مجموعی آمدنی ہوتی، تب بھی یہی نتیجہ برآمد ہوتا۔

بلاشبہ ایسا نہیں ہے۔ اسلام آباد بھی یہ تسلیم کرتا ہے کہ ایک چوتھائی آبادی شدید غربت میں اور غیر یقینی ذرائع روزگار کے ساتھ زندگی بسر کر رہی ہے۔ ان میں سے کئی لاکھ ایسے ہیں جو پوری ایک نسل تک غربت سے چھٹکارا نہیں پا سکتے خواہ مجموعی ملکی پیداوار کی بلند سطح قائم رہے۔ غربت کے جلد اور مستقل خاتمے کے لیے دولت کی غیر مساوی

تقسیم میں واضح کمی ناگزیر ہے۔

اس مضمون کا مرکزی موضوع غربت کے خاتمے میں محنت کشوں کی نقل مکانی اور ترسیلاتِ زر کا کردار ہے۔ بے شک محرومی ختم اور عدم تحفظ کو کم کرنے میں تخفیفِ غربت — یعنی غریبوں کی آمدنی بڑھانے — کا کردار نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

نقل مکانی کے اثرات کا انحصار اس کی وسعت اور شدت پر ہے۔ اصل اہمیت بیرونی ترسیلات سے بلاواسطہ اور بالواسطہ فائدہ اٹھانے والے گھرانوں کی تعداد، ان فوائد کی غریبوں اور غیر غریبوں میں تقسیم، بیرونی ترسیلات کی اوسط سطح اور بیرونی ترسیلات کے صَرف کے ضاربی اثرات (multiplier effects) کی ہے۔ الیکٹرانک اشیا کی شہری منڈیوں سے پتہ چلتا ہے کہ (وطن واپسی پر) لائی جانے والی پائیدار اشیا کو نقل مکانی کرنے والے اور ان کے اہل خانہ عمومی اخراجات میں بدل دیتے ہیں۔

اشیا اور خدمات کی تیز رفتار اور پھیلتی ہوئی عالمگیریت نے محنت کی درآمد اور برآمد کرنے والے ممالک کی سرکاری پالیسیوں کے اثرات بہت بڑھا دیے ہیں۔ غلط اور فضول پالیسیاں نقل مکانی کی بنا پر غربت کم ہونے کا عمل بڑھانے اور اسے قائم رکھنے میں ناکام رہیں گی۔ بلکہ ان سے محنت کش افرادی قوت فراہم کرنے والے ملکوں میں سماجی اور معاشی محرومی میں اضافہ ہوسکتا ہے۔

نقل مکانی سے بلاشبہ کچھ کارکنوں اور خاندانوں کو غربت سے نجات مل جاتی ہے، تاہم بہت سے ایسے ہیں جو غربت کی کسی بھی سنجیدہ تعریف کی رو سے جمود کا شکار رہتے ہیں۔ اول، نئے مہاجرین کی ترسیلات زیادہ تر ان قرضوں کی واپسی میں خرچ ہوجاتی ہیں جو نقل مکانی کے لیے سفر، ویزے، رشوت اور کمیشن وغیرہ ادا کرنے کی خاطر لیے جاتے ہیں۔ دوم، وہ غیر ملکی آمدنی بھی جو ملکی خطِ افلاس سے کئی گنا زیادہ ہو، بس اتنی ہوتی ہے جو بیرون ملک مقیم کارکن اور ملک میں اس کے خاندان کے گزارے کے لیے کافی ہو۔ سوم، انتہائی سخت حالاتِ کار میں جہاں کام گندا، محنت طلب اور خطرناک ہوتا ہے، ملازمت کرنے کی قیمت اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ کام اور قید میں کوئی امتیاز نہیں رہتا۔

ایک نمایاں مثال متحدہ عرب امارات کی ہے جہاں تعمیراتی کارکنوں نے حال ہی میں 140 ڈالر ماہانہ سے زائد اجرت اور رہائش کی بہتر سہولتوں کے مطالبات کے حق میں ہڑتال کی۔ اس کے جواب میں بیک وقت کئی ہزار کارکنوں کو بے دخل کر دیا گیا۔

جو تارکینِ وطن غریب خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں ان سے یہ کہنا زخموں پر نمک پاشی کے مترادف ہے کہ نقل مکانی اپنی مرضی سے کی جاتی ہے۔ یہ حقیقت نظر انداز کردی جاتی ہے کہ پاکستان میں بالغ آبادی کی اکثریت کو باوقار روزگار کے مواقع مہیا نہیں ہیں اور پھر ان کے لاکھوں بچوں کو خطرناک کاموں کی بھٹی میں جھونک دیا جاتا ہے۔

شکل 2

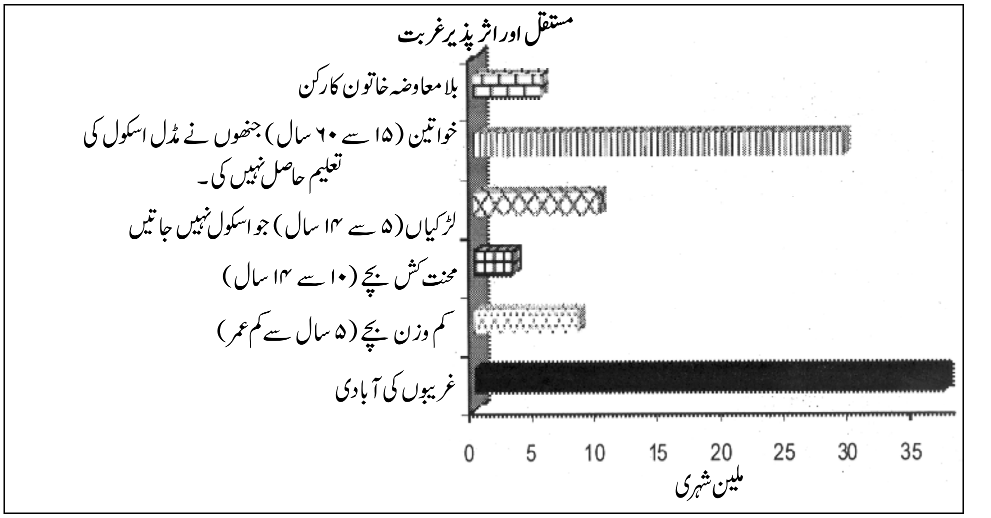

نقل مکانی کی بنا پر مطلق غربت کم ہونے کے بعد اضافی غربت اور عدم مساوات اور بدتر ہوسکتی ہے۔ اور جیسا کہ ہم بخوبی جانتے ہیں، جو لوگ مطلق غربت بلحاظ آمدنی سے بچ جاتے ہیں، وہ نہ صرف معاشی اور معاشرتی حقوق سے محروم رہتے ہیں بلکہ انہیں بنیادی سیاسی اور ثقافتی حقوق بھی نہیں ملتے۔ ان مسائل سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔

وطن واپسی پر سرمایہ کاری کے ناکافی مواقع ان خاندانوں کو دوبارہ غربت کی طرف دھکیل سکتے ہیں۔ ہر سال ہزاروں افراد نقل مکانی کی کوشش کرتے ہیں مگر ناکام ہوجاتے ہیں اور مہاجرت کے اس غیر منصفانہ بین الاقوامی نظام مہاجرت کا شکار بن جاتے ہیں جس نے مالیاتی سرمائے کے لیے سرحدیں کھول رکھی ہیں لیکن انسانی سرمائے کی قانونی اور غیر قانونی خدمات کے مابین امتیاز روا رکھا ہوا ہے۔

مصیبت در مصیبت یہ ہے کہ نقل مکانی میں شامل ہونے کے لیے غریب عورتوں کے پاس واحد ذریعہ یہ رہ جاتا ہے کہ وہ انسانی اسمگلنگ کا نشانہ بنیں جسے عموماً گھریلو خدمات کے پردے میں چھپایا جاتا ہے اور اس کی آڑ میں جو خوفناک استحصال ہورہا ہے اس کی گواہ فلپائن، تھائی لینڈ اور انڈونیشیا کی متعدد خواتین ہیں۔ اس مسئلے کا سنجیدگی سے تجزیہ کرنے کے لیے علیحدہ مضمون کی ضرورت ہوگی۔

پاکستان سے خصوصاً مشرق وسطیٰ ہجرت کرنے والے کارکنوں کے معاشی استحصال (اور ان پر سیاسی جبر) کے بارے میں وسیع پیمانے پر تشویش پائی جاتی ہے۔ جب تک کارکنوں کو بڑی تعداد میں بیرون ملک بھیجنے والے ممالک کی طرف سے مربوط مشترکہ کوشش نہیں ہوگی اس ضمن میں بہتری آنے کا امکان نہیں۔

شکل 3

پاکستان میں برسرِ روزگار خواتین کو باقاعدہ طور پر بین الاقوامی نقل مکانی سے روکا جاتا ہے۔ انہیں مشرق وسطیٰ تک جانے نہیں دیا جاتا جہاں تحفظ کا اسلامی نظام رائج سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ غریب خواتین مہارتوں میں اضافے، خود اعتمادی بڑھانے اور آزادانہ آمدنی کے ان بلند مواقع سے محروم رہتی ہیں جو نقل مکانی کی صورت میں انہیں مل سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ مردوں کی بھیجی گئی ترسیلات کی وجہ سے خواتین کے ملک کے اندر کام کرنے کا حق بھی مخدوش ہوجاتا ہے۔

بنگلہ دیش اور نیپال اس سلسلے میں پاکستان اور بھارت سے ان لاکھوں کارکنوں کے لیے اظہار تشویش کی درخواست کرسکتے ہیں جو جنوبی ایشیا میں کام کررہے ہیں۔ ان کارکنوں کے لیے بہتر زندگی اور باوقار روزگار کو یقینی بنانا ہوگا ، ورنہ پاکستانی تارکین وطن کے تحفظ کے بارے میں آواز اٹھانے والے پاکستانی معاشرے اور ریاست کو خود غرضانہ منافقت میں مبتلا سمجھا جائے گا۔

باکس 1

نقل مکانی اورضرر پذیری

ریاستوں کی جانب سے نقل مکانی کرنے والے افراد کی آمد ورفت پر مسلسل کنٹرول، ترقی کے ایجنڈے کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ جو نقل مکانی ایک ملک سے دوسرے ملک ہوتی ہے اس میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ افراد، گھرانوں اور ترقی پذیر ملکوں کی سماجی اور معاشی حالت کو بہتر بنا سکتی ہے اور انہیں غیر یقینی سیاسی، معاشی اور سماجی حالات سے تحفظ دلا سکتی ہے۔ تاہم توجہ کا مرکز مالیاتی بہاؤ سے مہاجرین کی جانب منتقل ہونا یہ ظاہر کرتا ہے کہ جس طرح نقل مکانی غریب خاندانوں کے مسائل حل کرسکتی ہے اسی طرح بعض حالات میں خطرہ درآمد بھی ہوجاتا ہے۔ محنت کشوں کی نقل وحرکت میں اضافے سے ایچ آئی وی/ایڈز جیسی انتہائی متعدی بیماریوں کے پھیلنے کا خطرہ اور گھرانوں کا ترسیلات پر انحصار بڑھ جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے ترقی پذیر ملکوں سے ذہانت کا انخلا شروع ہوجاتا ہے۔

نقل مکانی— خطرے سے نمٹنا یا اس کی درآمد؟

تمام مہاجر کارکنوں اور ان کے کنبوں کے حقوق کے تحفظ کے اقوام متحدہ کے کنونشن کا سنجیدگی سے نفاذ کیا جائے تو اس سلسلے میں پیش رفت ہوسکتی ہے۔ اکثریت ان ممالک کی ہے، جن میں پاکستان (اور بھارت) شامل ہیں، جنہوں نے اس کنونشن کی منظوری کے ایک عشرے بعد ابھی تک اس کی توثیق نہیں کی۔ صرف قنوطی لوگ ہی اس دلیل کا سہارا لیں گے کہ مہاجرین کو قبول کرنے والے اہم ممالک نے اس کنونشن کی توثیق نہیں کی ہے۔ یہ دلیل اتنی ہی خوفناک ہے جیسے یہ کہا جائے گا کہ ''ہمارے'' انسانی حقوق کی حفاظت کے لیے ''دوسرے'' انسانوں کو بڑے پیمانے پر ختم کرنا ضروری ہے۔

بین الاقوامی ادارۂ محنت کا اصولوں کا اعلامیہ (بطور بین الاقوامی قانون) بھی یاد رکھنا چاہیے۔ اس اعلامیے میں شہریوں اور دیگر کارکنوں کے درمیان قانونی امتیاز کو روا نہیں رکھا گیا، خواہ جنوبی ایشیا کے ممالک مہاجرین سے متعلق کنونشن 97 اور کنونشن 143 کو نظر انداز کرتے رہیں۔ پاکستان اور بھارت میں دیگر بین الاقوامی قوانین کو بھی روندا جاتا ہے۔ دونوں ممالک ایک دوسرے کے خلاف انتقامی کارروائیاں کرتے ہوئے ان ماہی گیروں کو قید میں ڈال دیتے ہیں جو روزگار کی تلاش میں پریشان ہوکر سمندری حدود پار کرجاتے ہیں۔

نقل مکانی سے متعلق ایک اور تشویشناک معاملہ ان ملکوں کا ہے جہاں ہمارے زیادہ تر نوجوان جاتے ہیں یعنی سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات۔ بہت سے مہاجرین اسلامی بنیاد پرستی کی طرف کھنچ کر چلے جاتے ہیں اور اقلیتوں، بلکہ اعتدال پسند مسلمانوں کے خلاف تشدد کا ارتکاب نہیں کرتے تو اس تشدد کے حامی بن جاتے ہیں۔ اربوں کی ترسیلات میں سے کتنی رقم اس فرقہ پرستی کی بھینٹ چڑھ جاتی ہے؟

مشرق وسطیٰ جانے والوں میں قدامت پرستی کی ایک اور شکل پیدا ہوسکتی ہے کیونکہ وہاں خواتین کارکن پاکستان سے بھی کم نظر آتی ہیں۔ یہ بات سیالکوٹ کے حالیہ واقعات سے سچ ثابت ہوتی ہے۔ نائیکی کے اس (قابل تعریف) فیصلے کے بعد کہ سیالکوٹ میں صرف فیکٹریوں میں کام ہونا چاہیے، شہروں اور دیہات میں فٹبال بنانے والے متعدد کارکن بے روزگار ہوگئے۔ زیادہ تر خواتین اور بہت سے مرد بھی شہر میں اس قسم کی ملازمت کرنے سے ہچکچاہٹ کا شکار رہے اور انہوں نے اپنے گھروں کے قریب نسبتاً کم اجرت والی ملازمتیں کرلیں۔ یہ کوئی اتفاقیہ امر نہیں کہ ان کارکنوں میں سے بہت سے ان گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں جہاں بہتر اجرت پانے والے مرد مہاجر کارکن ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ محنت کی منڈی میں دولت کے عمومی اثر کے علاوہ ہجرت کا اثر بھی ہوتا ہے، گو کہ شاید اس کا اظہار کم محفوظ آمدنی کے حوالے سے نظر آتا ہے۔

دولت اور مواقع کی نئے سرے سے تقسیم کے بغیر غربت کی بدترین شکلیں ختم نہیں کی جاسکتیں۔ خاص طور پر کاروبار اور ضابطۂ کار کے امور سے ریاست کے دستبردار ہونے کے بعد شہری غربت زیادہ تر دیہی غربت کی

شکل 4

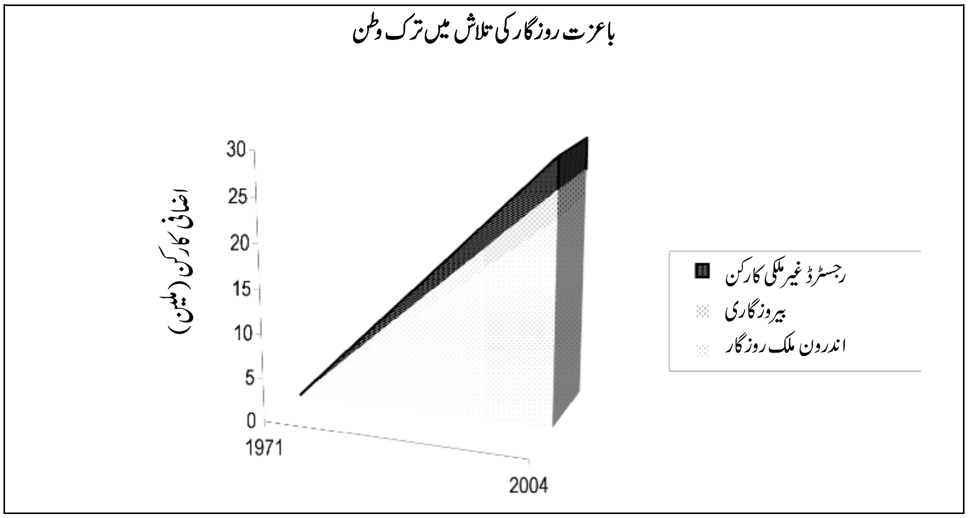

شکل 5

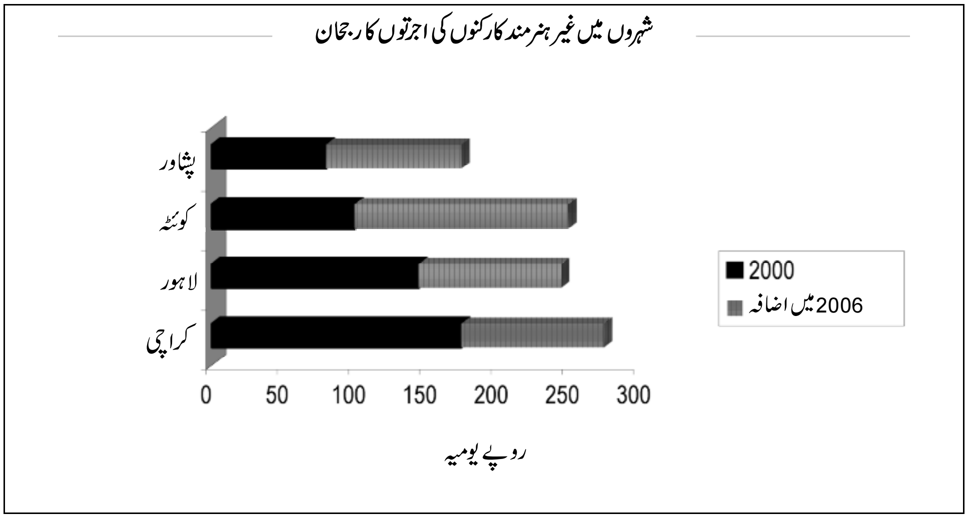

شکل 6

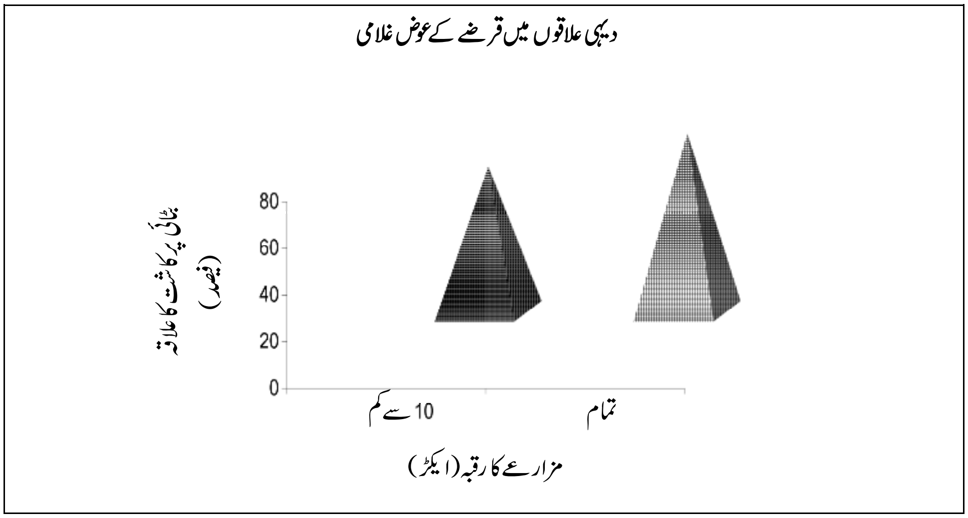

وجہ سے ظہور میں آرہی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ محنت کی منڈی (معاشرتی طور پر انصاف پر مبنی اسلامی ریاست ہونے کے دعووں کے باوجود) اکثریت کو باوقار اجرتیں نہیں دے گی تاوقتیکہ زرعی کارکنوں کی آمدنی میں اضافہ نہ ہوجائے۔ یہ بات واضح ہے کہ زمینداروں کو طاقتور بنانے کی ریاستی پالیسیوں اور بازار کی ''اصلاحات'' کی وجہ سے زرعی کارکنوں اور کاشتکاروں کے حالات کئی برس سے مسلسل بگڑ رہے ہیں۔ یہ صورتحال محنت کش غریبوں کی تعداد میں اضافے کی عکاسی کرتی ہے۔

لہٰذا بڑے پیمانے پر زرعی اصلاحات کی ضرورت ہے، اس سے بھی زیادہ جس کا ذوالفقار علی بھٹو (اپنی مقتولہ بیٹی بے نظیر کے والد جنہیں پھانسی دی گئی) نے وعدہ کیا تھا کہ کاشتکار کو زمین دی جائے گی (لیکن جس کی کنٹونمنٹ اور سول لائنز دونوں نے خلاف ورزی کی ہے)۔ وسیع پیمانے پر اعلیٰ مشینری کے ساتھ ہونے والی کارپوریٹ زراعت معاشی منتظمین کے لیے ایک خودغرضانہ تخیل سے بڑھ کر کچھ نہیں اور اس سے یقینی طور پر دیہات میں غربت ختم ہونے کے بجائے بڑھے گی۔ دیہی محنت کشوں کو کم سے کم اجرت سے محروم کرنے میں وزارت محنت اور وزارتِ زراعت کی ملی بھگت بہت تکلیف دہ ہے۔

جب تک ریاست محنت کو ''قومی مفاد'' میں استحصال کا محض ایک اور ذریعہ تصور کرتی رہے گی تب تک عوامی کارروائی ناکافی ثابت ہوگی۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ اکثریت کے لیے باعزت روزگار کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے، بجائے اس کے کہ محنت کشوں کو عالمی سرمائے کے ذریعے جو محنت کشوں کو ''استعمال کے بعد پھینک دینے والی چیزیں'' سمجھتا ہے، حکمراں طبقات کے مفادات کو مضبوط کرنے اور فروغ دینے کے لیے استعمال کیا جائے۔

خالصتاً معاشی (حقوق سے قطع نظر) نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تب بھی موزوں سرکاری پالیسی سے غریبوں کو اس قابل بنانے میں مدد ملے گی کہ وہ باعزت ملازمت کے لیے نقل مکانی کا ذریعہ استعمال کرسکیں۔ نقل مکانی کے مواقع یا ترسیلات کی آمدنی کی اس طرح ازسرنو تقسیم سے ضروری نہیں کہ غربت ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوجائے۔

اگر ریاست کو تمام آئینی شرائط پورا کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا تو اسے کم ازکم غربت کو عمومی طور پر بڑھانے سے روکا جانا چاہیے، خصوصاً ان لوگوں کی راہ میں رکاوٹ بننے سے جو بیرون ملک محنت مزدوری کرکے اپنی زندگی بہتر بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر ریاست سے محنت کشوں کا سرمائے سے زیادہ نہ سہی تو سرمائے کے برابر ہی متحرک ہونے کا حق تسلیم کرایا لیا جائے تو ملک میں اور بیرون ملک سرکاری ملازمین کو یہ موقع نہیں ملے گا کہ تارکین وطن کو کرپشن کے لیے استعمال کرسکیں۔

باکس 2

نقل مکانی موجودہ حالات کو جوں کا توں رکھتی ہے

حکومت کی ہر قسم کی افرادی قوت کو برآمد کرنے کی حوصلہ افزائی کرنے اور اس کے لیے سہولت فراہم کرنے کی پالیسی حکمراں طبقے کے نقطۂ نظر سے بالکل معقول ہے۔ نہ صرف یہ برآمد زرمبادلہ کا سب سے بڑا کماؤ پوت ہے جس سے معاشی تباہی سے بچاؤ ہوجاتا ہے بلکہ اس سے ایک سیاسی سیفٹی والو بھی مل جاتا ہے اور بنیادی اصلاحات (اسٹرکچرل ایڈجسٹمنٹ) کی ضرورت نہیں رہتی جس سے حکمراں طبقات کو کوئی دلچسپی نہیں۔

یہ سچ ہے کہ درحقیقت نقل مکانی سے معاشرے میں اونچ نیچ بڑھ رہی ہے۔ آمدنی کا ایک گروپ ٹوٹ رہا ہے۔ نقل مکانی کے کچھ معاشی نتائج، خصوصاً زرِمبادلہ کی ترسیلات کی وجہ سے آنے والی گرانی کی بنا پر، جو طبقہ متوسط کہلاتا تھا وہ اوپر کی طرف جارہا ہے اور اکثریت جو اتنی خوش نصیب نہیں ہے، مزید نیچے گر رہی ہے۔

موجودہ نقل مکانی کا ایک اور اہم پہلو اس کی رضاکارانہ نوعیت ہے۔ زیادہ عمیق نگاہ سے دیکھا جائے تو اس میں ضرورت کارفرما نظر

آئے گی تاہم تاثر یہ ملتا ہے کہ لوگ آزادانہ اور اپنی مرضی سے بیرون ملک جانے کا فیصلہ کرتے ہیں اور بہرحال تاثرات کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ رضا کارانہ نقل مکانی میں انتخاب کا پہلو ہونے کی وجہ سے زیادہ نوجوان، بہتر تعلیم یافتہ اور زیادہ آزاد اور جوش وجذبہ رکھنے والے افراد سب سے پہلے نقل مکانی کرتے ہیں۔ یہی وہ افراد ہوتے ہیں جو کسی سماجی تبدیلی میں متحرک اور قائدانہ کردار ادا کرسکتے ہیں۔ اس گروپ کے بیرون ملک جانے سے بقیہ لوگوں میں انحصار اور قدامت پسندی کا اوسط بڑھ جاتا ہے اور تبدیلی کی مربوط اور متحد تحریک پیدا ہونے کا امکان اور کم ہوجاتا ہے۔ پس تینوں عوامل، موجودہ نقل مکانی کی شرح، ہیئت ترکیبی اور رضا کارانہ نوعیت، ایسے حالات پیدا کررہے ہیں جس سے پاکستان میں معاشرتی ترقی کے امکانات کم ہوتے ہیں اور سماجی افراتفری کے اندیشے بڑھتے ہیں۔

پاکستان سے نقل مکانی کے سیاسی مضمرات

باکس 3

تارکین وطن پہلے انسان/ نہ کہ خدمات

اقوام متحدہ کے کنونشن کا بڑا مقصد مہاجرین کے انسانی حقوق کے احترام کو فروغ دینا ہے۔ تارکین وطن نہ صرف کارکن ہیں بلکہ انسان بھی ہیں۔

اس کنونشن میں تارکین وطن کے لیے نئے حقوق وضع نہیں کیے گئے بلکہ مساوی برتاؤ اور تارکین اور شہریوں کے لیے یکساں حالات کار کی ضمانت دی گئی ہے۔ باضابطہ ہوں یا بے ضابطہ، تمام تارکین کو تحفظ کی ایک کم سے کم حد سے بہرہ مند ہونے کا حق ہے۔ کنونشن میں اختراع کی گئی ہے کیونکہ اس کا انحصار اس بنیادی تصور پر ہے کہ ایک کم سے کم حد تک تحفظ ہر تارکِ وطن کارکن کو یقینی ملنا چاہیے۔ کنونشن میں یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ قانونی طور پر ہجرت کرنے والے تارکین، غیر قانونی تارکین کی نسبت زیادہ حقوق حاصل کرسکتے ہیں تاہم کنونشن میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ دیگر تمام انسانوں کی طرح غیر قانونی تارکین کے بنیادی حقوق کا احترام کرنا بھی ضروری ہے۔

اس کنونشن پر دستخط اور اس کی توثیق کرنے والی ریاستوں کو اس معائنے پر آمادہ ہونا پڑے گا کہ وہ اس کا نفاذ کررہی ہیں یا نہیں۔ اگر انسانی حقوق کے حوالے سے بین الاقوامی سطح پر کوتاہیاں کی گئیں تو ملک کے لیے پریشان کن صورتحال پیدا ہوسکتی ہے۔

یہ کنونشن زیادہ لبرل امیگریشن پالیسیوں کے حق میں ایک دستاویز نہیں۔ اس میں ایسے کوئی حقوق تجویز نہیں کیے گئے جو خاص مہاجرین کے لیے ہوں۔ اس میں صرف یہ بات یقینی بنائی گئی ہے کہ انسانی حقوق کا مہاجر کارکنوں پر مناسب طور پر اطلاق کیا جائے۔ جو ریاستیں پہلے ہی انسانی حقوق کا احترام کرتی ہیں اور جنہوں نے انسانی حقوق کی دستاویزات کی توثیق کی ہے انہیں اس کنونشن کی توثیق کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہیے۔

مہاجرین کے حقوق کے بارے میں اقوام متحدہ کے کنونشنز پر مبنی معلوماتی کتابچہ

باکس 4

حکومت کو کیا کرنا چاہیے؟

- قومی سطح پر حکومت پاکستان کو ریاستی سطح کے متعلقہ فریقوں کے مابین بہتر تعاون کے لیے نقل مکانی سے متعلق محنت کی وزارتی کمیٹی تشکیل دینی چاہیے۔ اس میں مہارتوں کی بہتری کی سرٹیفکیشن شامل ہے جس میں قومی اور صوبائی سطح پر بہتر تعاون ضروری ہے۔

- عالمی ادارہ محنت کے کنوینشن 97 (جو روزگار کے لیے نقل مکانی سے متعلق ہے) اور 143 (جو نقل مکانی میں ظلم و ستم اور مہاجر کارکنوں کے لیے مواقع اور ان سے بہتر برتاؤ کے بارے میں ہے) نیز اقوام متحدہ کے تمام مہاجر کارکنوں کے تحفظ حقوق کے کنوینشن کی توثیق کرنی چاہیے۔
- ان ملکوں میں جہاں زیادہ تر پاکستانی جاتے ہیں ان کنوینشنز کی توثیق کے لیے مہم چلانی چاہیے۔
- سارک، آسیان اور ڈبلیو ٹی او جیسے فورموں میں تارک وطن کارکنوں کے حقوق و مفادات کے تحفظ کے بارے میں زیادہ تعاون حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔
- نچلی سطح پر قواعد وضوابط کو بہتر بنانے اور معلومات کی فراہمی کے حوالے سے تارک وطن کارکنوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے کارکن بھیجنے والے اور مہمان ملکوں کے مابین زیادہ تعاون کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔
- میزبان ملکوں میں تارکین کی شناخت، ان کے نئے معاشرے میں گھلنے ملنے اور امتیازی سلوک کے فراموش کردہ مسائل سے نمٹنا چاہیے، مثال کے طور پر آگاہی میں اضافے اور مشاورت کی فراہمی کے ذریعے۔
- جن علاقوں سے تارکین وطن بیرون ملک جاتے ہیں وہ فی الحال غفلت کا شکار ہیں، ان میں رہائش اور تعلیم جیسی رفاہی سرگرمیاں شروع کی جانی چاہئیں۔
- ترقیاتی منصوبوں میں ترک وطن اور ترسیلات کو پیش نظر رکھا جانا چاہیے، مثال کے طور پر چھوٹے اور درمیانے درجے کے کاروباری اداروں کی ترقی اور مالیاتی انفراسٹرکچر کے حوالے سے۔
- جن علاقوں سے تارکین وطن بیرون ملک جاتے ہیں ان میں معاشی ترقی اور بنیادی سہولتوں کی فراہمی حکومت کا اہم ہدف ہونا چاہیے، بجائے اس کے کہ نقل مکانی کو تحریک دی جائے۔ اس میں تعلیم اور صحت سے متعلق آگاہی بڑھانے والی سرگرمیاں شامل ہیں تاکہ ان علاقوں میں روزگار کے امکانات بہتر ہوسکیں۔

ایس ڈی پی آئی سیمینار

شکل 7

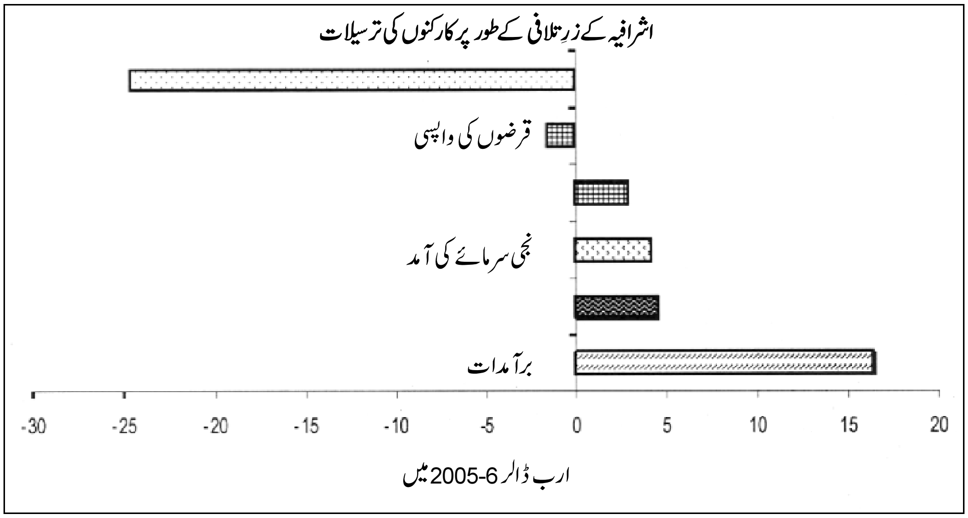

غیر ملکی امداد میں امریکا کی جانب سے ملنے والی وہ رقم شامل نہیں ہے جو دہشت گردی کے خلاف جنگ میں فوجی خدمات کے عوض حاصل ہوئی۔ امریکی ذرائع ابلاغ کا اندازہ ہے کہ ستمبر 2001ء کے بعد کم از کم 7 ارب ڈالر ادا کیے گئے۔

1 پاکستان اقتصادی جائزہ 06-2005ء کے مطابق 05-2004ء میں 23.9 فیصد یا 3 کروڑ 64 لاکھ 50 ہزار افراد خطِ افلاس سے نیچے زندگی گزار رہے تھے۔

شکل 8

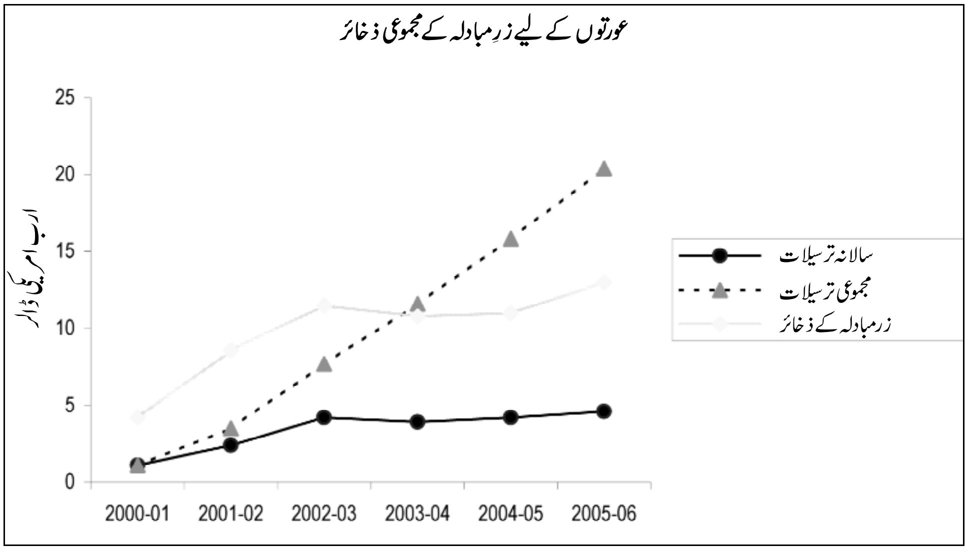

حالیہ رجحانات

حالیہ برسوں میں بین الاقوامی ترسیلات میں بہت اضافہ ہوا ہے۔ کچھ ظاہری اضافہ باضابطہ مالیاتی نظام کے زیادہ استعمال کی وجہ سے ہے کیونکہ 9/11 کے بعد بے ضابطہ نظام کے خلاف سختی کی جارہی ہے لیکن اس سے بینکوں کی بہتر خدمات کی بھی عکاسی ہوتی ہے۔

یہ ترسیلات قومی معیشت کے لیے اہم ہیں۔ صرف گزشتہ برس (2005-06ء) میں ترسیلات کا قومی آمدنی میں حصہ 3 فیصد سے بھی زیادہ تھا اور اس سے منفی تجارتی توازن (جو جزواً نئے متوسط طبقے کے اللے تللے کی وجہ سے پیدا ہوا) کے نصف سے زائد کا اثر کم ہوگیا۔ اس سے نجی سرمایہ آیا اور زرمبادلہ کے ذخائر کا خاصا حصہ فراہم ہوا (اور متوسط اور بالائی طبقے کی معیشت کی ڈالرائزیشن کی تلافی ہوگئی)۔

جب ترسیلات کے بے ضابطہ نظام (ہنڈی) اور وطن واپسی پر لائے جانے والے تحائف اور نقدی کو پیش نظر رکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ معیشت کو ہونے والے فوائد خاصے زیادہ ہیں۔ ضاربی اثرات کی وجہ سے ترسیلات بلاواسطہ اور بالواسطہ طور پر 10 فیصد سے زائد قومی آمدنی پیدا کرسکتی ہیں۔ فلپائن یا بھارت کی ریاست کیرالہ کے

شکل 9

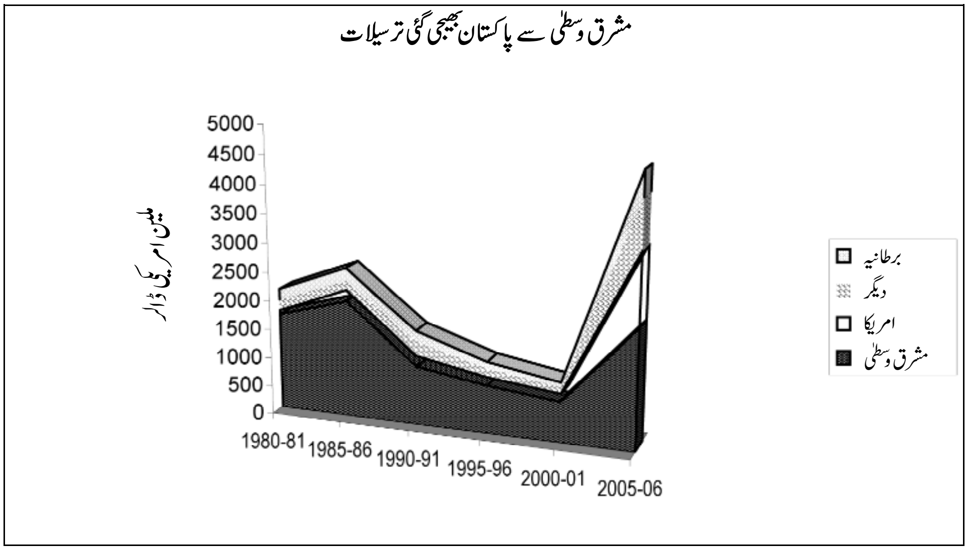

مقابلے میں یہ حصہ بہت کم ہے پھر بھی اچھا خاصا ہے۔

بین الاقوامی ادارۂ محنت کا نقل مکانی کے بارے میں تازہ ترین تخمینہ 1998ء کا ہے۔ ''بیرون ملک مقیم شہریوں'' کی تعداد 30 لاکھ سے زائد تھی جن میں سے نصف مشرق وسطیٰ میں تھے۔ یہ واضح نہیں کہ ان میں وہ لوگ شامل نہیں جو نئی شہریت اختیار کر چکے ہوں گے۔ مفروضہ یہ ہے کہ ان تارکین وطن کارکنوں میں بعض وہ افراد بھی شامل ہیں جنہیں فیملی ویزا مل گیا ہو۔

امیگریشن اور اوورسیز امپلائمنٹ کے وفاقی بیورو کی رجسٹریشن کے تحت (جو ممکن ہے بین الاقوامی ادارۂ محنت کے تخمینے کی بنیاد ہو) سرکاری اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ کم از کم 22 لاکھ افراد نے 1981ء اور 1999ء کے درمیان روزگار کے لیے ہجرت کی۔ ان میں سے 30,0000 سے زائد نے 1997ء سے 1999ء کے درمیان ہجرت کی۔

اس سے بھی بعد کا ایک اور تخمینہ یہ ہے کہ 2001ء اور 2004ء کے درمیان پانچ لاکھ افراد روزگار کے لیے بیرون ملک گئے۔ اس تخمینے میں مختلف پیشوں کی تقسیم بھی دی گئی ہے اور جیسا کہ توقع کی جا سکتی ہے اس میں غیر ہنرمند اور نیم ہنرمند افراد کی غالب اکثریت ہے۔ سب سے بڑی درجہ بندی ''مزدور'' (labourer) کی ہے جس کے بعد ''ڈرائیور''، ''کاریگر'' اور ''ترخان'' کا نمبر آتا ہے جو سب کے سب ملا کر تمام تارکین وطن کارکنوں کا 60 فیصد ہیں۔

اگر یہ فرض کیا جائے کہ مشرق وسطیٰ میں تارکین وطن کارکن عموماً خاندان کے بغیر مقیم ہیں اور دیگر ملکوں میں خاندان کے کم از کم تین افراد مقیم ہیں تو ایک سرسری اندازے کے مطابق 1998ء میں بیرون ملک کارکنوں کی تعداد تقریباً 20 لاکھ ہوگی۔

تب سے پاکستان سے بھرتی کیے جانے والے کارکنوں کی تعداد کم ہوگئی ہے اور ان کی جگہ دیگر ملکوں سے سستے کارکن لیے جا رہے ہیں۔ 9/11 کے بعد بڑی تعداد میں تارکین وطن واپس آئے ہیں۔ بہرحال ایس ڈی پی آئی کی حالیہ تحقیق میں اوورسیز پاکستانیز فاونڈیشن کے ایک تخمینے کا حوالہ دیا گیا ہے جس میں یہ تعداد خاصی زیادہ ہے۔

1998ء میں سالانہ ترسیلات کی بالائی حد 600 ڈالر فی کارکن تھی۔ بیس لاکھ تارک وطن کارکن پاکستان کے اندر کام کرنے والے محنت کشوں کا لگ بھگ 5 فیصد ہوں گے۔ بلاشبہ یہ غربت سے چھٹکارا حاصل کرنے کا اہم ذریعہ ہے اور ایک ایسی ریاست کے لیے بہت سکون کا باعث ہونا چاہیے جو ملک کے اندر باعزت اجرت پر سب کو روزگار فراہم کرنے پر تیار نہیں، تاہم اس کی قیمت خاندان کے بکھرنے کی صورت میں ادا کرنی پڑتی ہے۔

دیگر ذرائع قابل اعتبار تخمینوں کی تردید نہیں کرتے۔ گھرانوں کے سروے (PIHS-PLSM) سے ظاہر ہوتا ہے کہ 05-2004ء میں 800,000 سے زائد گھرانوں کو بیرونی ترسیلات موصول ہوئیں۔ 02-2001ء سے ترسیلات موصول کرنے والے گھرانوں کی تعداد لگ بھگ 200,000 بڑھ چکی تھی۔ زراعت شماری 2000ء (Agriculture Census) سے پتہ چلتا ہے کہ پانچ لاکھ سے کم افراد کو بیرونی ترسیلات موصول ہوئیں جن سے 30 لاکھ افراد کو فائدہ پہنچا۔

اگر فرض کیا جائے کہ ہر گھرانے میں اوسطاً دو تارکین وطن ہیں تو دیہی گھرانوں کے تقریباً دس لاکھ تارکین وطن ہوں گے۔ اس میں شہری گھرانوں سے بھی اتنی ہی تعداد جمع کی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ 2000ء یا اس کے آس پاس لگ بھگ 20 لاکھ تارکین وطن ہوں گے۔

کچھ افراد کے ترک وطن سے بیروزگاری کم ہوتی ہے اور بلاواسطہ اور بالواسطہ دونوں حوالوں سے غریبوں میں اجرتوں کی سطح بلند ہوتی ہے۔ کم ہنرمند کارکنوں کو زیادہ اجرت والی ملازمتیں مل جاتی ہیں، انہیں زیادہ ایامِ کار ملتے ہیں اور وہ مہاجرین کی خالی کردہ اسامیوں کو پُر کرتے ہیں۔ ان اثرات کے کچھ شواہد چاروں صوبائی دارالحکومتوں میں ہنرمند کارکنوں -- معماروں، بڑھئیوں -- اور غیر ہنرمند کارکنوں کی روزانہ (معمولی) اجرت کے رجحانات سے متعلق سرکاری ریکارڈ سے ظاہر ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر 2000ء اور 2006ء کے

درمیان پشاور میں معمار کی اجرت 200 سے بڑھ کر 325 روپے اور مزدور کی 80 سے بڑھ کر 175 روپے ہوگئی۔ بدقسمتی سے ایامِ کار کے حوالے سے اور دیہی علاقوں کے بارے میں، جہاں سب سے زیادہ غریب افراد رہتے ہیں، کوئی شائع شدہ اعداد وشمار دستیاب نہیں ہیں۔

اپنے خاندان کے دیگر مردوں کے بیرون ملک جانے پر کچھ تارکین وطن واپس آکر دیہی علاقوں میں کم اجرت والی اسامیاں حاصل کرتے ہیں جس کے نتیجے میں مندرجہ بالا بیان کردہ صورتحال کے برعکس حالات پیدا ہوسکتے ہیں۔ اس کا امکان ہوتا ہے کہ یہ گھرانے، جب بھی ممکن ہوتا ہے، خاندان کے کم اجرت پانے والے افراد کو بیرون ملک بھیج کر نقل مکانی کا سلسلہ مؤثر طور پر قائم رکھتے ہیں۔ دیہی آبادی میں سالانہ بیرونی ترسیلات 30 ڈالر فی کس کے لگ بھگ ہیں۔ 800 ڈالر قومی آمدنی میں ترسیلات کا حصہ بھی اہمیت کا ایک پیمانہ ہے۔ 5 فیصد حصے سے ظاہر ہوتا ہے کہ بہت کم آبادی ترسیلات سے براہ راست فائدہ اٹھا رہی ہے۔

ترسیلات حاصل کرنے والے کچھ گھرانوں کو غربت سے نجات مل گئی ہوگی اور کچھ ایسے ہوں گے جنھوں نے اخراجات بڑھا لیے ہوں گے اور غریب کے غریب رہے ہوں گے۔ بعض کو تارکین اور ان کے گھرانوں کو اشیا و خدمات فراہم کرنے سے بلاواسطہ فائدہ پہنچا ہوگا جیسے تعمیرات وغیرہ کے شعبے میں۔

کیا یہ عمل ممکن (اور دانشمندانہ) ہے کہ ترسیلات کے ان اثرات کی سطح کا تخمینہ لگایا جائے؟ ایک سرسری حوالہ غربت کے سرکاری اعداد وشمار میں بظاہر تیزی سے کمی کا ہوسکتا ہے جو مجموعی قومی پیداوار کی نمو میں حالیہ برق رفتار نمو اور ترسیلات میں تیزی کے ساتھ دیکھنے میں آئی۔ تاہم آیئے دیگر کلی اعداد وشمار (macro data) کے مضمرات کا جائزہ لیتے ہیں۔

اگر فرض کیا جائے کہ بیرون ملک سے زیادہ سے زیادہ 20 لاکھ کارکن اتنے ہی گھرانوں کو ترسیلات بھیج رہے ہیں تو 5 سے 6 ارب ڈالر کی ملکی ترسیلات کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک اوسط کارکن ہر سال ڈھائی سے تین ہزار ڈالر کی ترسیلات بھیج رہا ہے۔ اگر فرض کیا جائے کہ اس سے 10 افراد کو فائدہ ہوتا ہے تو فی کس وصولی 250 سے 300 ڈالر سالانہ یا 15000 سے 18000 روپے ہوگی جو سرکاری خطِ افلاس سے خاصی اوپر ہے۔

اگر اوسط ترسیلات غریبوں تک پہنچ جاتیں تو 4 کروڑ یا اس سے زائد افراد کی غربت میں آدھی کمی ہوجاتی۔ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہوا ہے۔

بیشتر مبصرین کا خیال ہے کہ بیرونی ترسیلات کا بالواسطہ اثر ان غریب محنت کشوں پر پڑتا ہے جو یہاں رہ جاتے ہیں (جن میں ترسیلات وصول کرنے والے بھی شامل ہوسکتے ہیں)۔ مفروضہ طور پر دو عوامل کارفرما ہیں: محنت کشوں کے اَصراف کا رجحان اور اس اَصراف کے ضاربی اثرات۔

بیرون ملک کام کرنے والے کے گھرانوں کے اخراجات کے بالواسطہ ضاربی اثرات خاصے ہوسکتے ہیں۔ ضارب 5 (multiplier of 5) ہونا بھی غیرممکن نہیں جس سے قومی آمدنی پر بلاواسطہ اور بلاواسطہ اثرات کا مجموعہ 20 سے 30 ڈالر تک ہوگا۔ ترسیلات وصول نہ کرنے والی پوری 14 کروڑ آبادی میں بالواسطہ آمدنی تقسیم کرنے سے صرف 35 ڈالر فی کس سالانہ حاصل ہوں گے جس سے غربت کم تو ہوسکتی ہے لیکن ختم نہیں ہوسکتی۔

محنت کشوں کے اس اَصرافی رجحان سے یہ اثرات بڑھیں گے۔ اگر اخراجات سے فائدہ اٹھانے والے ترسیلات کے غیر وصول کنندہ غریب گھرانوں کی تعداد بھی اتنی ہی ہو جتنی ترسیلات کے وصول کنندہ گھرانوں کی ہے اور اگر ضاربی اثر، ترسیلات کی اوسط سطح کے مساوی فوائد پر منتج ہو تو ملکی غربت اتنی تیزی سے کم ہوسکتی ہے کہ غربت بالکل ختم ہوجائے بشرطیکہ ترسیلات کے غریب وصول کنندہ، کارکنوں کی ترسیلات کی اوسط سطح بھی حاصل کرلیں۔ لیکن کم از کم 4 کروڑ گھرانوں میں غربت برقرار ہے۔

ترسیلات کو الگ الگ ملکوں کے لحاظ سے دیکھا جائے تو ترسیلات کے محدود اثر کا اندازہ ہوتا ہے۔ بیشتر مبصرین کا خیال ہے کہ غیر ہنرمند اور نیم ہنرمند کارکن سب سے زیادہ مشرق وسطیٰ جاتے ہیں۔

شکل 10

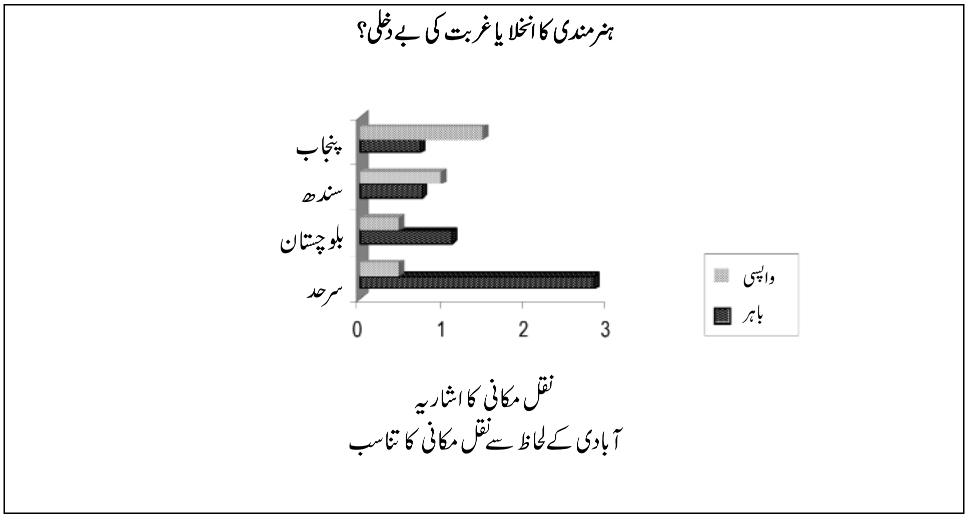

شکل 11

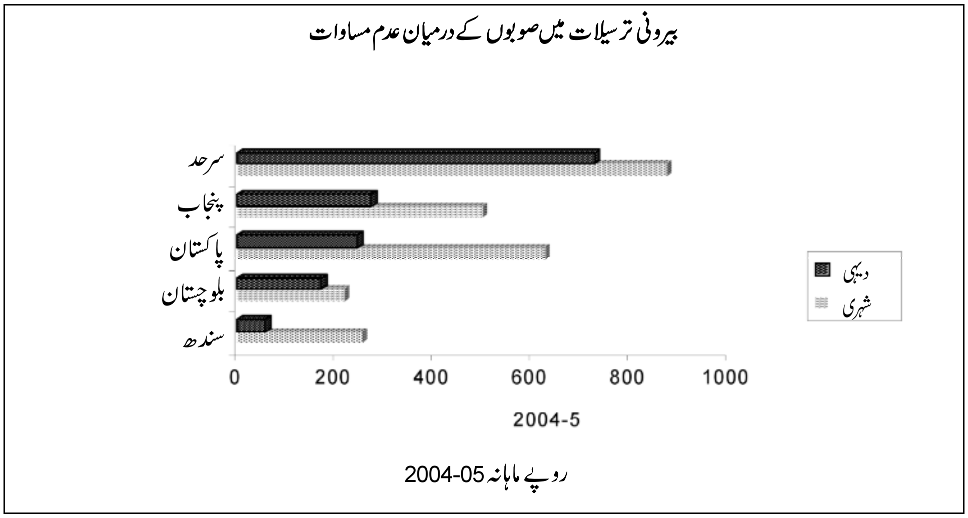

شکل 12

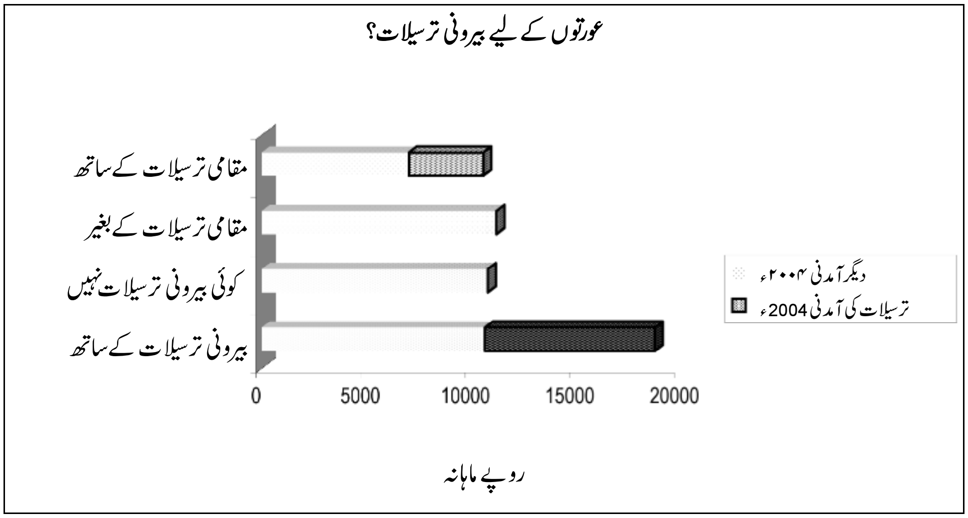

اعلیٰ ہنرمندوں کی منزل مغربی ممالک ہوتے ہیں جن کے (قطعی) غریب گھرانوں سے متعلق ہونے کا امکان نہیں ہوتا۔

معلوم ہوتا ہے کہ حالیہ ترسیلات میں تیزی سے اضافے کا بڑا سبب برطانیہ اور امریکا سے آنے والی رقوم ہیں (جو شاید 9/11 کے بعد پیدا ہونے والی فضا میں سرمائے کے فرار کی صورت میں آئیں)۔ شہری زمینوں کی قیمت اور رہائشی تعمیرات میں بیشتر حالیہ اضافہ انہی تارکین وطن کی وجہ سے ہوا لیکن یہ واضح ہے کہ اس سرمائے سے براہ راست فائدہ حاصل کرنے والے زیادہ تر غریب گھرانے نہیں ہیں۔

شکل 13

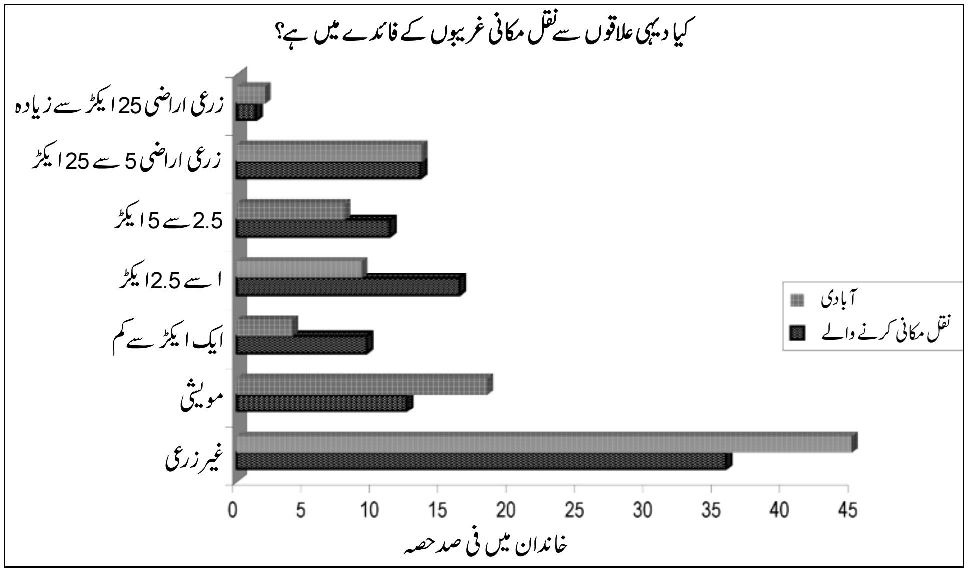

گھریلو سروے

زراعت شماری 2000ء میں غربت اور بین الاقوامی ترسیلات کے درمیان تعلق پر کچھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ ایک کروڑ 80 لاکھ دیہی گھرانوں میں پانچ لاکھ سے بھی کم کو بیرونی ترسیلات موصول ہوئیں۔ ترسیلات کے وصول کنندگان کے حصوں کا آبادی سے موازنہ کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ بطور خاص غریبوں کو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوا، نہ ہی یہ بات واضح ہے کہ ترسیلات غریبوں اور غیر غریبوں کو برابر برابر ملیں۔ اگرچہ 2.5 ایکڑ سے کم زرعی رقبوں کو اس سے فائدہ پہنچا اور 25 ایکڑ اور اس سے زائد کے رقبوں کو فائدہ نہیں پہنچا، تاہم مویشی بانی سے متعلق اور غیر زرعی گھرانوں (جن میں زمین سے محروم گھرانے بھی شامل ہیں) میں مجموعی آبادی میں ان کے حصے کی نسبت تارکین وطن کی تعداد بہت کم ہے۔ مزید برآں، اگر ہجرت سے کچھ غریبوں کو فائدہ پہنچتا ہے تو یہ توقع نہیں کی جائے گی کہ ترسیلات کی سطح کے حوالے سے انہیں مساوی طور پر فائدہ پہنچے گا کیونکہ بڑے زرعی قطعات رکھنے والے گھرانوں میں ہنرمند کارکنوں کی تعداد زیادہ ہوگی اور وہ ایسے زیادہ کارکنوں کو بھیجیں گے (اور کم ہنرمند اور غیر ہنرمند کاشتکاری کے لیے رہ جائیں گے)۔

ایک حالیہ سروے (PIHS-PSLM 2004-5) میں گھرانوں کی بنیاد پر بیرونی ترسیلات کی اہمیت کے تخمینے فراہم کیے گئے ہیں۔ آزاد کشمیر اور قبائلی علاقوں کو خارج کرنے سے کچھ غلطی در آنا ناگزیر ہے جس سے آزادی و خودمختاری کے دعووں کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ ان علاقوں کی آبادی کم ہے لیکن ان کی اوسط ترسیلات ''عام'' اوسط پاکستان سے کہیں زیادہ ہونے کا امکان ہے۔

غیر ملکی امداد میں اضافے کے بعد صدر مشرف کی حکومت یہ ظاہر کرنے کی بہت کوشش کرتی رہی ہے کہ تیزی سے ہونے والی معاشی ترقی کے نتیجے میں غربت کا خاتمہ کیا جا رہا ہے۔ اس سے سرکاری شائع شدہ سروے کے اعداد و شمار کا اعتبار اور مجروح ہو جاتا ہے۔

تمام گھرانوں میں بیرونی ترسیلات کی ماہانہ وصولی 350 روپے فی

گھرانہ اور 50 روپے فی کس تھی۔ یہ باقاعدہ کارکنوں کے کلی تخمینے سے دگنا ہے۔ چنانچہ سروے کی ترسیلات میں غالباً سرکاری اور غیر سرکاری ترسیلات دونوں شامل ہیں اور شاید ترسیلات بشکل جنس بھی، اور دیگر ترسیلات جنہیں بینکاری نظام میں ''کارکنوں کی ترسیلات'' میں شامل نہیں کیا جاتا جیسے غیر ملکی شہریوں کی حیثیت سے بیرون ملک مقیم پاکستانیوں کی ترسیلات۔

اگر تارکین وطن کے خاندانوں (جن کی تعداد بہت کم ہے) تک محدود کیا جائے تو اوسط ماہانہ وصولی 8,000 روپے سے زائد تک جا پہنچتی ہے جو 1000 روپے فی کس سے زیادہ بنتا ہے۔ اگر ایسے تمام خاندانوں کو یہ اوسط ملتا تو صرف بیرونی ترسیلات تمام گھرانوں سے غربت ختم کرنے کا معجزہ دکھا سکتی تھیں۔

سروے سے پتہ چلتا ہے کہ بیرونی ترسیلات دس لاکھ سے کم گھرانوں کو ملیں اور اسی لیے یہ آبادی کے 5 فیصد سے بھی کم کو متاثر کرتی ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ غربت میں براہ راست کمی یا غربت کے خاتمے کا اثر ملک کی 5 فیصد سے زیادہ آبادی پر نہیں ہوگا۔ اگر غریب آبادی کی شرح 30 فیصد مانی جائے تو ترک وطن برائے روزگار سے غریبوں کی آبادی کے چھٹے حصے کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اگر تمام غریب افراد ترک وطن کر کے اس سطح کی ترسیلات فراہم کر سکیں تو پاکستان سے غربت ختم ہو جائے گی۔ تو کیا نقل مکانی ''سماجی تحفظ'' کا ایک مستحسن جز ہے؟

نقل مکانی کے ساتھ یا اس کے بغیر اوسط ترسیلات سے یہ جائزہ لینے کا موقع ملتا ہے کہ غربت پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ترسیلات وصول کرنے والوں پر مبنی ایک اندازے کے مطابق کل ماہانہ آمدنی 19,000 روپے ہے جس میں سے 8,000 روپے بیرونی ترسیلات کے ہوتے ہیں اور 11,000 غیر ترسیلاتی آمدنی ہے۔ صرف مؤخر الذکر آمدنی دس افراد کے اوسط گھرانے کے لیے 1000 روپے فی کس آمدنی کے خطِ افلاس سے اوپر ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ ترسیلات کا غربت کے خاتمے میں کس قدر کم کردار ہے۔

ایک اور تخمینہ اس طرح لگایا جا سکتا ہے کہ بیرونی ترسیلات وصول نہ کرنے والے اور وصول کرنے والے گھرانوں کی اوسط آمدنی کا موازنہ کیا جائے۔ اس سے بھی یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ یہ اثر اس وقت اور کم ہو جاتا ہے جب نقل مکانی کے قرضے ادا کرنے کے لیے استعمال ہونے والی ترسیلات کو پیش نظر رکھا جائے جو اس صورت میں اور زیادہ ہوتی ہیں جب اپنے کارکن کو بیرون ملک بھیجنے والا گھرانہ زیادہ غریب ہو۔

بیرونی ترسیلات کو کوئنٹائل یعنی پانچ حصوں میں بانٹنے سے اس تجزیے کو تقویت ملتی ہے۔ سب سے نچلے دو کوئنٹائلز میں اوسط ماہانہ آمدنی 11,500 روپے کے قریب ہے۔ اس میں ترسیلات نصف سے زیادہ ہیں۔ بقیہ آمدنی غربت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے ناکافی ہے۔ بہرحال اس بات کا امکان ہے کہ بیشتر تارکین وطن اگر بیرون ملک نہ گئے ہوتے تو ملک کے اندر کچھ نہ کچھ کما سکتے تھے۔ چنانچہ ایک محتاط موازنہ ترسیلات وصول کرنے والوں اور نہ کرنے والوں کے درمیان ہوگا۔

سب سے نیچے کے دو کوئنٹائلز میں بیرونی ترسیلات وصول کرنے والوں اور وصول نہ کرنے والوں میں یہ بالترتیب 8,000 اور 7,000 روپے ہے۔ اوسط ترسیلات سے کسی گھرانے کو غربت سے نکلنے کا بمشکل موقع مل سکتا ہے۔ تبھی بیرونی ترسیلات کا کچھ اثر ہوگا لیکن صرف ان کے لیے جنہیں یہ ترسیلات ملیں اور وہ ملک کے گھرانوں کا صرف ایک اور 2 فیصد ہیں۔

ترسیلات وصول کرنے والوں اور نہ کرنے والوں کے درمیان اوسط غیر ترسیلاتی آمدنی کا فرق معمولی ہے، سوائے ان کے جنہیں ملکی ترسیلات موصول ہو رہی ہوں، جن میں غیر ترسیلاتی آمدنی خاصی کم ہے۔ اس حقیقت سے یہ عمومی تأثر تقویت پاتا ہے کہ نقل مکانی سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھانے والا اور اسی وجہ سے ملکی نقل مکانی کو بطور متبادل استعمال کرنے والا طبقہ غریب ترین نہیں۔

ترسیلات کے محدود بلاواسطہ اثر کا ایک اور اظہار اس بات سے ہوتا ہے کہ بیرونی ترسیلات وصول کرنے والے 80 فیصد سے زائد افراد سب سے نیچے کے دو کوئنٹائلز میں نہیں تھے۔ کوئنٹائلز میں فرق دیکھ کر

پاکستان میں موجود عدم مساوات کا احساس شدید ہوجاتا ہے: سب سے اوپر کے دو کوئنٹائلز میں سب سے نیچے کے دو کوئنٹائلز کے مقابلے میں ترسیلات کی وصولی تقریباً دگنی اور دیگر آمدنی دگنی سے بھی زیادہ ہے۔

یہ مفروضہ کس حد سے قابل قبول ہے کہ ترسیلات سے وصول کنندگان کی ایک اچھی خاصی تعداد کو غربت سے اس حد سے چھٹکارا مل جاتا ہے کہ وہ سب سے اوپر والے کوئنٹائلز میں پہنچ جاتے ہیں؟

سالانہ خالص نقل مکانی (جو 800,000 سے زائد شہریوں پر مشتمل ہے) بہت کم ہے۔حالیہ تین سال میں زیادہ سے زیادہ 200,000 افراد سے کم کی اضافی نقل مکانی کی امید کی جاسکتی ہے (جو بیرونی ترسیلات وصول کرنے والے گھرانوں کی اضافی تعداد سے معلوم کی جاتی ہے)۔ چنانچہ یہ توقع نہیں کی جانی چاہیے کہ نقل مکانی کو غربت کے برق رفتار خاتمے میں اہم عامل کا درجہ حاصل ہوگا۔

پچھلے چند برسوں کے کلی اعدادوشمار سے پتہ چلتا ہے کہ ترسیلات خاصی بڑھ گئی ہیں۔ کیا سروے کے اعدادوشمار سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے؟

2001-02ء اور 2004-05ء کے درمیان ترسیلات کی اوسط وصولی 6,500 روپے سے بڑھ کر 8,000 روپے ہوگئی۔ وصول کنندہ گھرانوں کی تعداد بھی ساڑھے چھ لاکھ سے بڑھ کر آٹھ لاکھ چالیس ہزار ہوگئی۔ اس سے اس سرکاری دعوے کی کس حد تک تصدیق ہوتی ہے کہ غربت کم ہوگئی ہے؟ حقیقی اعدادوشمار کے حوالے سے ترسیلات کی اوسط وصولی زیادہ تر جوں کی توں رہی اور وصول کنندہ گھرانوں میں اضافہ ایک فیصد سے زیادہ کا نہیں تھا۔

تو پھر کیا معاشی منتظمین (جوئٹی بینک، عالمی بینک اور ایشیائی ترقیاتی بینک کے توسط سے واشنگٹن سے درآمد کیے گئے) اس بات پر مبارکباد کے مستحق ہیں کہ غریبوں کو ریلیف کی تلاش میں بیرون ملک دھکیل دیا گیا؟

ملکی ترسیلات کے مقابلے میں بیرونی ترسیلات کی اہمیت بھی وضاحت طلب ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ اوسط بنیادوں پر بیرونی ترسیلات ملکی ترسیلات سے خاصی زیادہ ہوتی ہیں۔ لیکن ملکی ترسیلات وصول کرنے والے گھرانوں کی تعداد بیرونی ترسیلات کے وصول کنندہ گھرانوں سے (جن میں کچھ دونوں ترسیلات کے وصول کنندہ بھی ہوسکتے ہیں) تین گنی ہے۔

اس سے پھر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قومی سطح پر روزگار اور اجرتوں کے لیے اہم پالیسی اقدام کے بغیر غربت کے خاتمے کی جانب سنجیدگی سے پیش رفت نہیں ہوسکتی۔

جیسا کہ توقع کی جانی چاہیے نقل مکانی کے فوائد کی تقسیم دیہی اور شہری آبادی میں غیر مساویانہ ہے، شہری گھرانے فائدے میں ہیں جن میں سے متعدد ایسے ہیں جنہوں نے نقل مکانی کے بعد دیہات چھوڑ کر شہروں میں سکونت اختیار کی ہوگی۔

مردم شماری 1998ء سے پتہ چلتا ہے کہ بیرون ملک سے عارضی یا مستقل طور پر واپس آنے والے کارکنوں اور ان کے خاندانوں میں نصف سے زائد نے شہر میں سکونت اختیار کی۔ افراد کی تعداد کے لحاظ سے صرف (بہت زیادہ شہری علاقوں پر مشتمل) اضلاع یعنی کراچی، فیصل آباد اور لاہور میں 60 فیصد (26 لاکھ) ایسے افراد مقیم ہیں جن کا پچھلا پتہ کسی دوسرے ملک میں تھا۔ ان شہروں میں افغان پناہ گزینوں سمیت جنوبی ایشیائی ہجرت کی وجہ سے کچھ تناسب توقع سے زیادہ ہوگیا ہو تاہم یہ کیفیت تبدیل ہونے کا امکان نہیں۔

کارکنوں کی بیرون ملک نقل مکانی کے سرکاری اعدادوشمار سے بھی اسی طرح کا ارتکاز ظاہر ہوتا ہے۔ 1981-99ء کے دوران 20 لاکھ سے زائد ہجرت کرنے والوں میں سے نصف کا تعلق صرف دس اضلاع سے تھا۔ ان میں کراچی سرفہرست ہے جہاں سے پشاور کے مقابلے میں تین گنا افراد بیرون ملک گئے جو فہرست میں سب سے نیچے تھا۔ 1998ء میں واپس آنے والے تارکین وطن جن اضلاع میں گئے ان کی فہرست مذکورہ بالا دس اضلاع سے ملتی جلتی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ طویل مدت میں نقل مکانی کے اثرات، آمدنی کی عدم مساوات کے حوالے سے بڑے شہروں کے حق میں ہیں اور ان دیہی علاقوں پر برا اثر پڑسکتا ہے جہاں

باکس 4-A **نقل مکانی: ناانصافی اب مزید قبول نہیں**

پیداوار کے جاگیردارنہ اور نیم جاگیردارنہ رشتوں سے محنت کشوں کی نقل وحرکت محدود ہوتی ہے۔ پھر سرمایہ داری نظام کی طرف تبدیلی میں نقل مکانی کا کیا کردار ہے؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ یہ لازمی ہے۔ عام مفہوم میں نقل مکانی خصوصاً دیہی شہری نقل مکانی، کا لازم ہونا اس حقیقت کی وجہ سے ہے کہ بڑے صنعتی مراکز کے کارکنوں کو کلاسیکی دہرے معنوں میں ''آزاد'' بنایا جانا چاہیے، ذرائع پیداوار سے آزاد، اور اجرتی کارکنوں (ذرائع روزگار) کے طور پر کام کرنے کے لیے آزاد۔ موخرالذکر آزادی کے لیے کارکنوں کا متحرک ہونا اور نقل مکانی کے قابل اور رضامند ہونا ضروری ہے۔

ایک کاشتکار کو تارک وطن بننے کے لیے کن شرائط کا ہونا ضروری ہے؟

پہلی شرط یہ ہے کہ مسلسل مایوسی کی بنا پر نقل مکانی کرنے کا خیال قابلِ قبول ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ کاشتکاروں کو یہ شعور ہونا چاہیے کہ ان پر جو ظلم ہورہا ہے وہ ناگزیر نہیں بلکہ ناانصافی پر مبنی ہے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ بغاوت کی کامیابی کے امکانات کم سے کم ہوں اور چوتھی شرط یہ ہے کہ ممکنہ تارکِ وطن احساس محرومی کے باعث یا گزارہ نہ ہونے کی وجہ سے جبر و استحصال کی روایتی شکلوں کو مسترد کرنا چاہتا ہو۔

دیہی نقل مکانی سے صنعتی سرمایہ داری نظام کی طرف تبدیلی کیسے تیز ہوتی ہے؟

پہلا عمل محنت کے روایتی تعلقات کی ٹوٹ پھوٹ کا تیز ہوجانا ہے۔ دوسرا عمل دیہی طبقات میں تفریق کا ہے۔ تیسرا کردار دیہی اجرتی روزگار کو تحریک دینے کا ہے۔ چوتھے، نقل مکانی محنت کی سماجی تقسیم کو بڑھانے کا ذریعہ رہی ہے۔ پانچواں عمل ایک جیسی مہارتیں رکھنے والے کارکنوں کو مجتمع کرنا ہے تاکہ محنت کی تفصیلی تقسیم کی جاسکے۔ چھٹے، نقل مکانی سے سرمایہ داری کو تحریک ملتی ہے کیونکہ اس سے کارکنوں اور ان کے خاندانوں کی تمناؤں اور عادات پر اثرات ہوتے ہیں۔ آخری بات یہ ہے کہ تارکین وطن، صنعتی کارکنوں کی محفوظ افرادی قوت کا بڑا اجز ہیں جو شاید اہم ترین جز ہے۔

نقل مکانی اور استحصال کا طریقہ

سے تارکین کا تعلق ہو۔

ایک مفید نتیجہ یہ ہے کہ بین الاقوامی سطح پر محنت کشوں کی آمد ورفت میں بیرون ملک نقل مکانی، نیز وطن واپسی کا فرق ملک کے اندر آمد ورفت سے مشابہ ہوسکتا ہے، جس سے ملک میں غیر مساوی ترقی کی عکاسی ہوتی ہے۔

ترقی یافتہ اضلاع کی نسبت جہاں روزگار کے بہتر مواقع ہیں، پس ماندہ اضلاع سے زیادہ لوگ بیرونِ ملک جاتے ہیں اور واپس کم آتے ہیں۔ اس سے اس قول کی بھی تصدیق ہوتی ہے کہ عالمی سطح پر محنت کشوں کی آمدورفت غیر ہنرمند کارکنوں کے مقابلے میں ہنرمند اور نیم ہنرمند کارکنوں کے لیے زیادہ فائدہ مند ہوتی ہے کیونکہ مؤخرالذکر طبقہ علاقوں کے مابین فرق سے کم متأثر ہوتا ہے۔ جب ''جلد واپسی'' کی وجہ سے بڑے پیمانے پر واپسی ہوتی ہے تو ضروری نہیں کہ مندرجہ بالا نتیجہ نہ نکلے: اس واپسی کا سبب وطن میں روزگار کے بہتر مواقع بھی ہوسکتے ہیں۔ لیکن کیا اس سے غریب تارکین وطن کی ملک کے اندر نقل مکانی کی عکاسی بھی ہوتی ہے؟ کیا غریب تارکین کم آمدنی، نقل مکانی پر اٹھنے والا اخراجات کی کم وصولی اور ملک کے اندر کم مواقع کی بنا پر زیادہ عرصے بیرون ملک قیام کرتے ہیں؟

اس عدم مساوات کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ آمدنی کے دیگر ذرائع میں فرق

اور بڑھ جاتا ہے اور شہروں کی نسبت دیہات میں تخفیفِ غربت کم ہوتی ہے، خصوصاً جب ضاربی اثرات کوملحوظ رکھا جائے۔ صوبہ سرحد (اور شاید بلوچستان) کو چھوڑ کر صوبوں میں ترسیلات کے حوالے سے دیہات اور شہروں کا بہت فرق ہے۔

تمام خاندانوں میں اوسط بیرونی ترسیلات فقط 50 روپے ماہانہ ہیں اور مطلق اور نسبتی فرق دونوں لحاظ سے دیہی سندھ کی حالت خراب ہے جہاں سے بیرون ملک نقل مکانی کرنے والی آبادی کم ہے اور وصول کنندہ گھرانوں میں آنے والی ترسیلات بھی کم ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہ ہوگا کہ مقامی طور پر بہتر روزگار دستیاب ہے، سوائے کراچی کے۔

اگر بہتر زرعی آمدنی بیرون ملک نقل مکانی کوکم کرتی ہے تب بھی قسمت آزمائی کے لیے ترک وطن کے خواہشمند دیہی غریبوں کو دشواری کا سامنا ہوتا ہے کیونکہ سندھ کی دیہی معیشت میں ایک تو آمدنی بہت کم ہے دوسرے بڑے پیمانے پر بیگار کا سلسلہ جاری ہے۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، ایک گھرانے کی اوسط ماہانہ آمدنی ؟؟ روپے غربت سے نجات پانے کے لیے کافی نہیں، خواہ بیرونی ترسیلات کا بالواسطہ اثر غریبوں کی آمدنی پر کتنا ہی ہو۔ جائزوں سے اس دعوے کو تقویت نہیں ملتی کہ بالائی کوئنٹائلز میں خاصی ایسی تعداد ہے جو ضاربی اثر کی وجہ سے غربت سے چھٹکارا پا چکی ہے۔

البتہ اعدادوشمار سے یہ بات کسی حد تک ظاہر ہوتی ہے کہ بالواسطہ اثر کس قدر ہے۔ اگر ضاربی اثر نہ ہوتو 8,000 روپے کی اوسط بیرونی ترسیلات کا ملکی اَصراف سب سے نچلے کوئنٹائل کے لیے لگ بھگ 300 روپے کی آمدنی (جز) کا پیدا ہوگا، بشرطیکہ انہیں بطور اوسط اتنی ہی رقم مل سکے۔ جب ضارب تقریباً 5 ہو، جس کا اندازہ غیر ترسیلاتی گھرانوں میں اخراجات کے اوسط رجحان سے لگایا گیا ہے، تو صفر مساوات کی صورت میں غریبوں کو تقریباً 1,500 روپے آمدنی بالواسطہ اثر کے طور پر مل جاتی۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ آمدنی کی موجودہ تقسیم سے ظاہر ہوتا ہے کہ لگ بھگ 900 روپے کی کمی ہوئی ہے۔ غریبوں کے لیے تقریباً 7,000 روپے کی اوسط آمدنی کا بالواسطہ اثر زیادہ سے زیادہ 15 فیصد ہوگا۔ اسے غربت میں کمی تو کہا جا سکتا ہے لیکن غربت کے خاتمے کے لیے یہ ناکافی ہے۔

کیا آخری سے پہلے والے کوئنٹائل کے لیے یہ نتیجہ تبدیل ہوگا؟

یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہ ہوگا کہ نقل مکانی اور ترسیلات کی معیشت نے غربت کے خاتمے پر بہت کم اثر مرتب کیا ہے۔ ایک زیادہ نگہدار اور کم غیر مساویانہ معاشرے میں یہ اثر زیادہ ہوتا۔ بے شک اس غیر متعلق بات کا جواب دینا حماقت ہوگی کہ بین الاقوامی نقل مکانی نہ ہونے کی صورت میں ملک کے اندر غربت اور زیادہ ہوگی۔

شکل 14

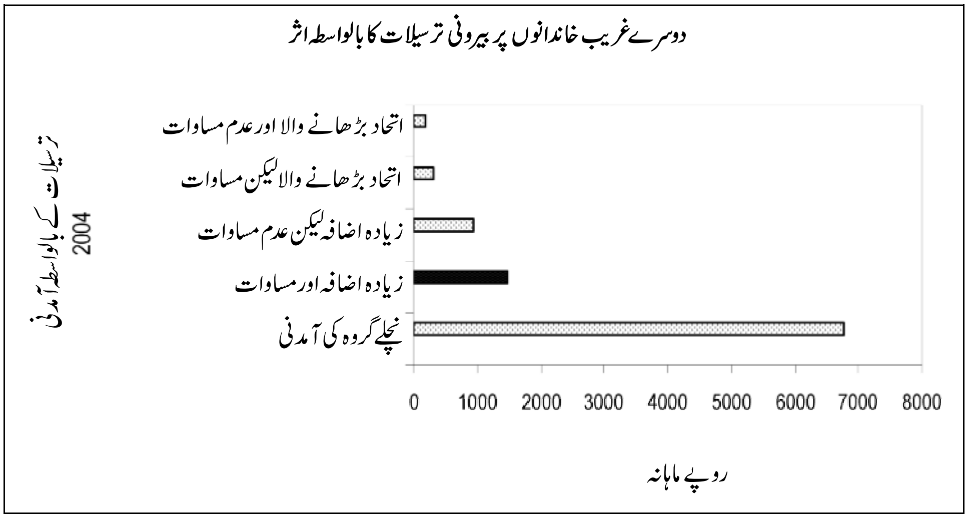

شکل 15

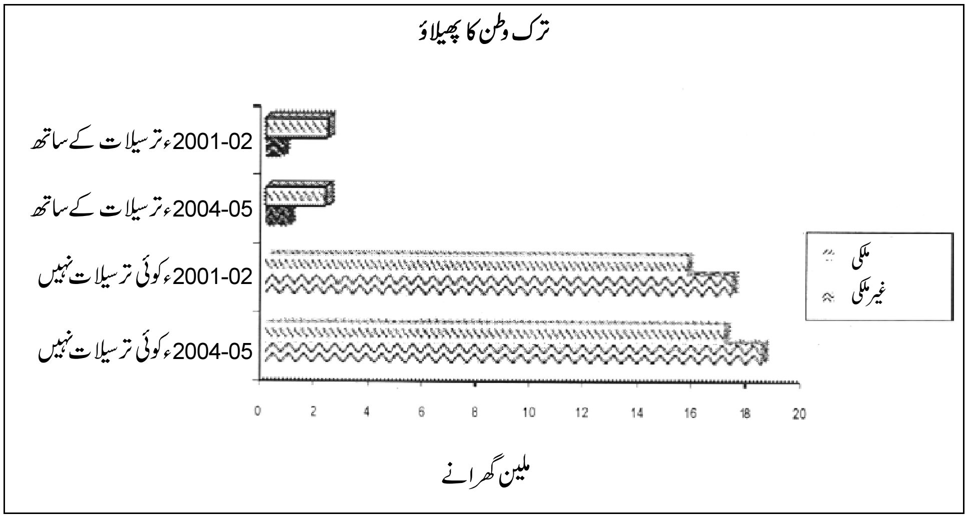

شکل 16

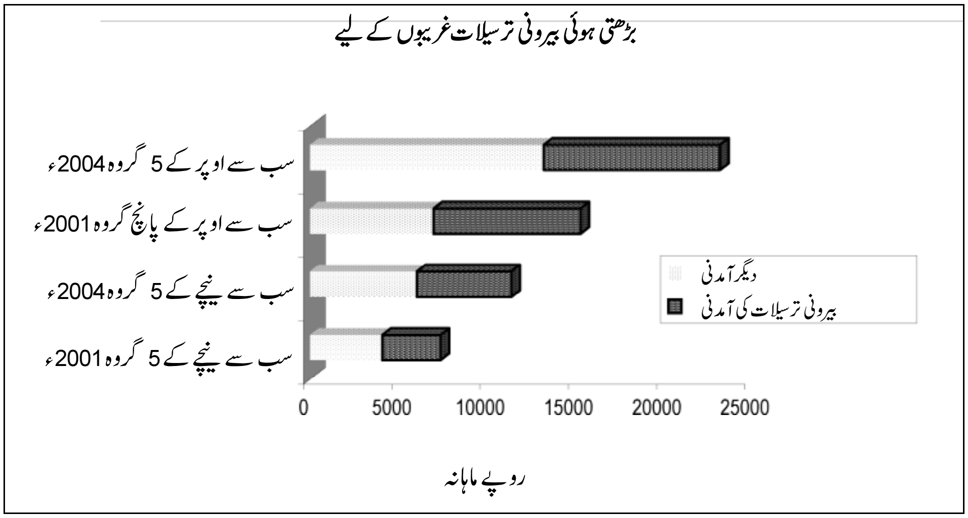

باکس 5

اوورسیز پاکستانیز فاؤنڈیشن کی اصلاح

پچھلی دو دہائیوں کے دوران اوورسیز پاکستانیز فاؤنڈیشن کی کارکردگی کا مختصراً جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس کا معیار اور کارکردگی کم درجے کی ہے۔ اوورسیز پاکستانیز فاؤنڈیشن کے بیشتر منصوبے بدنظمی، غلط سلط فیصلوں اور رقوم کے نادرست استعمال سمیت متعدد خامیوں کا شکار ہیں۔ وفاقی حکومت اوورسیز پاکستانیز فاؤنڈیشن کو جو کام سونپ دیتی ہے وہ مہنگے ہوتے ہیں اور اس ادارے کے اصل اغراض و مقاصد سے مطابقت نہیں رکھتے۔ اس کی ایک مثال فارن ایکسچینج ریمیٹنس کارڈز ہیں۔ وفاقی حکومت (وزارت خزانہ) کو اس پوری اسکیم کے اخراجات برداشت کرنے چاہئیں۔ جہاں تک زرِمبادلہ لانے کا تعلق ہے، اس میں اوورسیز پاکستانیز فاؤنڈیشن کا کوئی کردار نہیں۔ اسلام آباد میں مہاجرین کو زمین کی دوبارہ فروخت کے منصوبے کی ناکامی کو نظر میں رکھنا چاہیے۔ اسی طرح اوورسیز پاکستانیز فاؤنڈیشن وزارتِ تعلیم یا وزارت ہاوسنگ کا کردار ادا نہیں کرسکتی۔ اخراجات کے حوالے سے دیکھا جائے تو اوورسیز پاکستانیز

فاؤنڈیشن اپنے اسکولوں اور ہاوسنگ کالونیوں سے سمندر پار پاکستانیوں کی بہت تھوڑی سی تعداد کے لیے خدمات انجام دے رہی ہے۔

میزبان ملکوں، خصوصاً مشرق وسطیٰ میں سمندر پار پاکستانی ملازمت کے اصل معاہدوں کی تبدیلی اور عدم نفاذ سمیت متعدد مسائل کا شکار ہیں۔ بیورو آف امیگریشن اینڈ اوورسیز ایمپلائمنٹ اس مقصد کے لیے ایک پروٹیکشن فیس وصول کرتا ہے اور یہ فرض کیا جاتا ہے کہ متعلقہ پاکستانی سفارت خانے یا قونصل خانے میں متعین کمرشل ویلفیئر اتاشی (CWA) سمندر پار پاکستانیوں کے یہ مسائل حل کریں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ مسائل اکثر وبیشتر کمرشل اتاشیوں کے توسط سے حل نہیں ہوتے۔

ایم عرفان، بہتر نظم ونسق کے لیے اوورسیز پاکستانیز فاؤنڈیشن کی اصلاح

باکس 6

ایشیائی تارکین کارکنوں کا فورم

- جن ملکوں سے تارکین ہجرت کرتے ہیں، انہیں محنت کشوں کو بڑے پیانے پر برآمد کرنے کے عمل کو اپنی ترقی کی بنیادی حکمت عملی کے طور پر استعمال نہیں کرنا چاہیے۔
- جن ملکوں سے تارکین بھیجے جاتے ہیں انہیں اور میزبان ملکوں کو اس امر کا جائزہ لینا چاہیے کہ نقل مکانی کے تمام مراحل پر تحفظ کو کیسے یقینی بنایا جائے۔
- جن ملکوں سے تارکین بھیجے جاتے ہیں انہیں اور میزبان ملکوں کو اقوام متحدہ کے تارکین کے کنونشن کی توثیق کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔
- میزبان ملکوں، کو جہاں بے ضابطہ تارکین کی کچھ تعداد ہو، اپنی امیگریشن کی پالیسیوں پر نظر ثانی کرنی چاہیے اور انہیں حقیقت پسندانہ، منصفانہ اور آسان بنانا چاہیے۔
- جن ملکوں سے تارکین بھیجے جاتے ہیں انہیں اور میزبان ملکوں کو معیاری معاہدوں کا نفاذ یقینی بنانا چاہیے، خواہ ان پر دستخط کسی بھی ملک میں کیے گئے ہوں۔
- میزبان ملکوں میں تارکین بھی مزدور قوانین کے تحت آنے چاہئیں جن میں ہنگامی حالات اور مشکلات کی صورت میں تحفظ اور امداد شامل ہیں۔
- میزبان ملکوں کو بے ضابطہ اور باضابطہ دونوں قسم کے تارکین کی قانونی ضروریات کے لیے قانونی خدمات اور فنڈ قائم کرنے چاہئیں، خصوصاً زیر حراست تارکین کے لیے۔
- جن ملکوں سے تارکین بھیجے جاتے ہیں انہیں اور میزبان ملکوں کو بھرتی ہونے والے افراد، ایجنٹس اور آجروں کے امور کو باضابطہ بنانا چاہیے اور اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ بنیادی مزدور معیارات خصوصاً ایجنٹس اور کارکنوں اور آجروں اور کارکنوں کے درمیان معاہدوں کو باقاعدہ بنانے پر عمل ہو۔
- جن ملکوں سے تارکین بھیجے جاتے ہیں انہیں واپس آنے والے تارکین کو معاشرے میں دوبارہ رچنے بسنے کے جامع پروگرام تشکیل دینے چاہئیں جس سے وہ آمدنی کے متبادل ذرائع پیدا کرسکیں۔
- جن ملکوں سے تارکین بھیجے جاتے ہیں انہیں اور میزبان ملکوں کو محنت کشوں کی اسمگلنگ کے مسئلے پر زیادہ توجہ دینی چاہیے اور ان کے تحفظ اور امداد کے لیے طریقہ ہائے کار بنانے چاہئیں جن میں ان کے اپنے وطن میں دوبارہ آباد ہونے میں مدد دینے کے طریقے بھی شامل ہوں۔
- جن ملکوں سے تارکین بھیجے جاتے ہیں انہیں مشکلات کا شکار تارکین کے لیے تحفظ کا ایک نظام تشکیل دینا چاہیے۔

شکل 17

جنوبی ایشیا میں انسانی ترقی: کیا پاکستان قیادت کرسکتا ہے؟

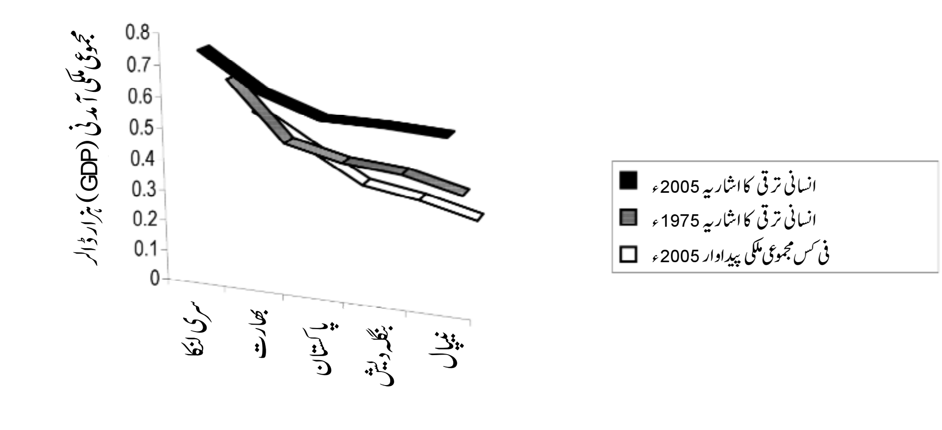

سرکاری پالیسی کیا ہے؟

خالصتاً اقتصادی (حقوق سے قطع نظر) نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تب بھی موزوں سرکاری پالیسی سے غریبوں کے لیے بیرون ملک بہتر روزگار کے مواقع میں اضافہ ہوگا۔ نقل مکانی کے مواقع یا ترسیلاتی آمدنی کی تقسیمِ نو سے ضروری نہیں کہ دیگر گھرانے غریب ہوجائیں۔ کچھ بھی ہو، ایسے مواقع بڑھانے میں سرکاری پالیسی کا ایک کردار ہوگا۔

اگر کچھ اور ممکن نہیں تو کم از کم غربت میں اضافہ کرنے اور بیرون ملک کام کرکے زندگی بہتر بنانے کی کوشش کرنے والوں کی راہ میں رکاوٹ بننے سے ریاست کو باز رکھا جائے۔

جنوبی ایشیا میں ریاست کا کردار ظالمانہ ہونے کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ بحری حدود پار کرنے کے الزام میں ماہی گیر برسوں تک پابندِ سلاسل رہتے ہیں۔ بھارت اور پاکستان دونوں کی کارروائی غیر قانونی ہوتی ہے، نہ صرف اس لیے کہ انہوں نے سرحدوں کا واضح تعین نہیں کیا ہے بلکہ اس لیے بھی کہ یہ بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی ہے جس کے تحت کشتیوں کے عملے کو فوراً رہا کیا جانا چاہیے۔ ایک اور غیر قانونی حرکت امتیازی سلوک ہے۔ پنجاب میں جو لوگ غیر ارادی طور پر زمینی سرحد پار کرجاتے ہیں انہیں چند روز سے زیادہ عارضی حراست برداشت نہیں کرنی پڑتی۔ امتیازی سلوک کی ایک اور مثال وفاقی اور صوبائی ایجنسیاں ہیں جو نہ صرف مخصوص اقتصادی علاقے (ایکسکلوسو اکنامک زون) بلکہ سرحدی پانیوں میں شکار کرنے والی ''دوست'' ممالک کی ماہی گیری کی کشتیوں کو نظر انداز کردیتی ہیں، خصوصاً سمندر کی صوبائی حدود میں۔

سرحدوں کی اہمیت لوگوں کے لیے کیوں ہو جب خود ریاستیں اس بنا پر سرحدوں پر جھگڑا کرتی ہیں کہ ان کا تعین عجلت میں رخصت ہونے والی ایک نوآبادیاتی طاقت نے اپنی مرضی سے کیا تھا؟

ریاست کی طرف سے کارکنوں کی آزادانہ نقل و حرکت کی بھی اتنی ہی وکالت ہونی چاہیے جتنی اشیا اور اعلیٰ ہنر مند خدمات کی آزادانہ تجارت کی ہوتی ہے۔ اس میں بین الاقوامی ادارۂ محنت کے اصولوں کے اعلامیے کا تمام روزگار پر نفاذ شامل ہونا چاہیے جس میں امتیازی سلوک سے تحفظ کا حق، اجتماعی سودا کاری اور جبری مشقت کا خاتمہ (جو ریاست کی ''ذمہ داریاں'' ہیں) شامل ہیں۔

بلاشبہ حکومت اسی صورت میں غیر ملکی آجروں اور ان کی حکومتوں کو آمادہ کرنے میں کامیاب ہوسکے گی جب ملک کے اندر ان اصولوں پر عمل ہورہا ہو۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ پاکستانی ریاست اپنی رِٹ صرف منفی انداز میں منواتی ہے جب وہ جسمانی اور معاشی تشدد پر اپنی اجارہ داری کا

مظاہرہ کرتی ہے، بجائے اس کے کہ مثبت انداز میں یہ کام کرے اور کم سے کم آمدنی کے ساتھ مکمل روزگار کی فراہمی جیسے بنیادی حقوق نافذ کرے۔

کے لیے مختلف فنڈز کے ذریعے کیا جاتا ہے۔

غریب مہاجرین اور ان کے کنبوں کی مدد کے لیے ادارے قائم کرنے

شکل 18

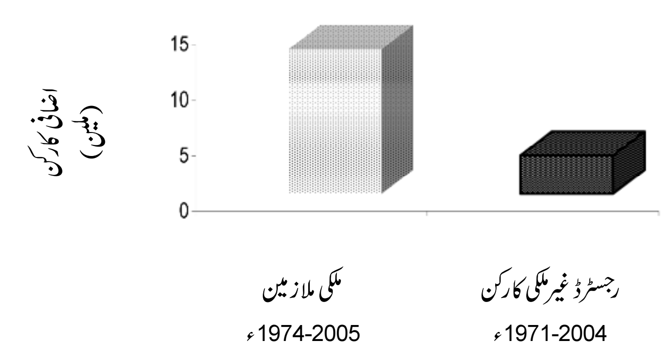

شکل 19

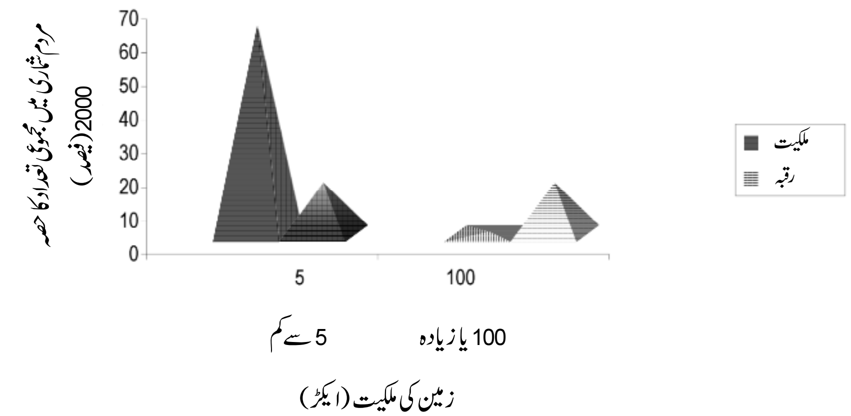

نقل مکانی کے لیے سفر اور گھریلو اخراجات کی مد میں خاصی رقم درکار ہوتی ہے جو اکثر غیر ملکی ملازمت کی ایک سال کی آمدنی سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ غریبوں کے لیے مساوی مواقع کی فراہمی کے لیے سرکاری سطح پر قرضوں اور گرانٹس کی ضرورت ہوگی ورنہ غریب کارکن جبری مشقت کے جال میں پھنس جائیں گے۔ یہ افرادی قوت کی ''برآمد'' کے لیے زرِاعانت کی فراہمی ہوگی جیسا کہ اشیا کی برآمدات کی ترویج

اور موجودہ اداروں کی اصلاح کی ہنگامی بنیادوں پر ضرورت ہے۔ اوورسیز پاکستانیز فاونڈیشن، تارکین اور ان کے خاندانوں کی امداد کے لیے کام کرتی ہے۔ تاہم اس تنظیم کی تمام تر توجہ ہنرمند اور زیادہ آمدنی والے تارکین پر ہے اور وہ کچھ اعلیٰ سطح کے اسکول اور کالج چلا رہی ہے اور کچھ کی مدد کررہی ہے، بڑے شہروں میں صحت کے مراکز قائم کیے ہوئے ہے اور شہری اسکیموں میں مہنگی زمینیں محفوظ کیے ہوئے

ہے، وغیرہ۔

ان اداروں کی اصلاح کی ضرورت ہے تاکہ وسائل کا رخ موجودہ اور آئندہ کے غریب تارکین کی جانب موڑا جاسکے۔ مزید برآں، پالیسی میں اس حقیقت کا خیال رکھنا چاہیے کہ بیرون ملک روزگار میں کمی آئے تو تارکین کی واپسی سے غربت میں کمی کی رفتار گھٹ جاتی ہے۔

ترسیلات کے صَرف سے پیدا ہونے والی آمدنی اور روزگار کے ذریعے ترسیلات کا غربت پر اثر بڑھایا جاسکتا ہے۔ جب تارکین واپس آتے ہیں تو ہنرمندی آتی ہے۔ تارکین وطن کے خاندان کے افراد یا خود واپس آنے والے تارکین ادارے قائم کرتے ہیں یا ترسیلات کی مدد سے انہیں توسیع دیتے ہیں۔ نقل مکانی کا پائیدار اثر بڑھانے کے لیے سرکاری اقدامات کے ذریعے ترسیلات کا بہاؤ (مثلاً سمیڈا کے توسط سے) چھوٹے اور بڑے کاروباری اداروں یا مقامی انفراسٹرکچر (مثلاً میونسپل بانڈز کے توسط سے) کی جانب منتقل کرنے میں مدد دی جانی چاہیے۔ یقینی طور پر بین الاقوامی مالیاتی اداروں سے قرضے لینے کی نسبت، جس سے بدعنوانی کی راہیں نکلتی ہیں اور غریب پر بار پڑتا ہے، یہ زیادہ معقول اقدام ہوگا۔

جس طرح برآمدات میں ہوتا ہے، برآمد شدہ اشیا اور خدمات کی مہنگائی سے کچھ غریبوں کو فائدہ ہوسکتا ہے لیکن کچھ کو نقصان بھی ہوتا ہے۔ جب پلمبرز اور ترخانوں کی بڑی تعداد نقل مکانی کرتی ہے تو ان پیشوں کے باقی ماندہ کارکنوں کی اجرت بڑھ سکتی ہے خصوصاً جب وہ شہروں کی طرف نقل مکانی کرتے ہیں جہاں (نامیہ اور شاید حقیقی بھی) اجرتیں زیادہ ہوتی ہیں۔ بین الاقوامی نقل مکانی سے خاندان کے دیگر افراد کے لیے شہروں کو منتقل ہونے کے لیے رقم بھی دستیاب ہوسکتی ہے۔ ان اخراجات سے ملکی ترسیلات میں بھی اضافہ ہوسکتا ہے۔ ترسیلات کے وصول کنندگان کی آمدنی بڑھتی ہے اور وہ اخراجات بھی بڑھاتے ہیں۔

لیکن کارکنوں کی بڑی اکثریت جو پیچھے رہ جاتی ہے اس پر منفی اثر پڑسکتا ہے کیونکہ ان کے اخراجات میں اضافہ ہوجاتا ہے لیکن آمدنی نہیں بڑھتی۔ وجہ یہ ہے کہ ان کی آمدنی میں بہت کم اضافہ ہوتا ہے یا بالکل نہیں ہوتا کیونکہ وہ نہ تو تارکین وطن ہوتے ہیں نہ ہی تارکین کے خاندانوں کو اشیا اور خدمات فراہم کرنے والوں میں سے ہوتے ہیں۔

اگر ضاربی اثر زیادہ ہو تو پیچھے رہ جانے والوں کو زیادہ فائدہ ہوگا۔ ضارب 5 ہونے کی صورت میں بھی اس بات کا امکان نہیں کہ بیشتر غریب افراد کو غربت سے چھٹکارا پانے کے لیے کافی آمدنی مہیا ہوجائے گی۔

مزید یہ کہ تخفیف غربت کا اثر گرانی کی وجہ سے کم ہوجاتا ہے جس کے ضارب زیادہ ہونے کی صورت میں بڑھنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ترسیلات کی موجودہ سطح پر 5 کا ضارب لاگو کیا جائے تو جو اضافی طلب پیدا ہوگی وہ موجودہ جی ڈی پی سے 20 فیصد بڑھ جائے گی۔ حالیہ معاشی نمو کے بہت فیاضانہ تخمینوں سے بھی یہ نتیجہ نہیں نکلے گا کہ حقیقی معیشت اس شرح سے ترقی کرسکتی ہے۔ چنانچہ نقل مکانی کے تخفیف غربت پر اثرات کو زیادہ سے زیادہ کرنے کے لیے نرخوں کے استحکام کے لیے حکمت عملی اور سرمایہ کاری کا ایک منصوبہ لازمی ہے۔

سرکاری پالیسی کے منفی اثرات میں مندرجہ ذیل شامل ہیں۔ جب بیرونی ترسیلات نئی کرنسی چھاپ کر ادا کی جائیں تو گرانی پیدا ہوگی جس سے ترسیلات اور دیگر (بے لوچ) آمدنیوں کی حقیقی قدر کم ہوجائے گی۔ کیا یہ محض اتفاق ہے کہ 2000ء اور 2005ء کے درمیان رسد زر دگنی سے بھی زیادہ ہوگئی؟ کہ ملکی قرضہ، جو کرنسی چھاپنے کا ایک توسیعی زری پالیسی (expansionary monetary policy) متبادل ہے، تقریباً دگنا ہوگیا؟

جب استحکام سے غیر غریب افراد کی صَرف کردہ اشیا کی گرانی کم ہوتی ہے اور غریب افراد کی صَرف کردہ اشیا کی گرانی بڑھتی ہے تو مستحکم شرح مبادلہ کے لیے سرکاری اقدام کے متعدد منفی اثرات ہوتے ہیں۔ کم ہوتی ہوئی شرح مبادلہ کے نتیجے میں ترسیلات کے وصول کنندگان کو روپے کی آمدنی میں اضافے سے فائدہ نہیں ہوتا۔ شرح مبادلہ کو مستحکم رکھنے کے لیے مرکزی بینک کے اقدامات میں زرمبادلہ

کے ذخائر کو بڑھانا اور روپیہ چھاپنا شامل ہیں۔ روپیہ چھاپنے سے ملک میں پیدا ہونے والی اشیا کی گرانی بڑھ جاتی ہے جو غریبوں کے استعمال میں آنے والی اشیا کا بڑا جزو ہیں۔

چنانچہ اس کا ممکنہ طور پر بہت غلط نتیجہ برآمد ہوتا ہے: غیر غریب افراد کی ''درآمد شدہ'' اشیا کی کھپت کو غریب تارکین اور غیر تارکین پر بالواسطہ ٹیکس سے پورا کیا جارہا ہے اور اسی طرح کثیرالقومی کمپنیوں کے واپس آنے والے منافع اور سرمایہ کاری کے ساتھ بھی یہی ہوتا ہے۔ اسی طرح کا ایک مخفی ٹیکس زرمبادلہ کے ذخائر پر منافع دینے سے انکار ہے تا کہ حکومت کو ترسیلات کے فوائد حاصل ہوسکیں، جیسے سستے قرضوں کے لیے انہیں بطور ضمانت یا ان ''امدادی'' منصوبوں کے قرضوں کی ادائیگی کے لیے استعمال کرنا جن سے غریبوں کو فائدہ پہنچتا بھی ہے تو برائے نام۔

اس بارے میں کچھ شواہد موجود ہیں کہ غیر غریب افراد کی نقل مکانی کے نتیجے میں غریبوں کے لیے خدمات تک رسائی بہتر ہوسکتی ہے۔ تارک وطن خاندانوں کی آمدنی میں اضافے سے تعلیم، صحت اور ٹرانسپورٹ کا انفراسٹرکچر معیار اور مقدار کے اعتبار سے بہتر ہوسکتا ہے۔ تاہم تعلیم میں سرمایہ کاری کے بجائے نقل مکانی کے لیے رقم پس انداز کرنے کی صورت میں منفی سماجی اثرات کے شواہد بھی ہیں۔

صنفی اثرات اہم ہوسکتے ہیں، کم از کم مقامی طور پر، جیسا کہ لڑکیوں کے اسکولوں اور کالجوں کی تعداد میں اضافے سے ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن گھوڑا گلی کے لارنس کالج میں سرکاری رقم سے گنجائش بڑھانا تخفیف غربت سے نمٹنے کا موزوں راستہ نہیں۔

مہارتوں کے حصول کے مواقع بہتر بنائے جاسکتے ہیں یہ لیکن کام حکومت کا ہے کہ وہ ملکی اور بین الاقوامی منڈیوں دونوں میں انسانی سرمائے کو بہتر بنانے کے لیے اقدامات کرے اور یہ یقینی بنائے کہ غریبوں کو بھی نقل مکانی سے نئی مہارتیں بڑھانے کے مواقع منصفانہ طور پر دستیاب ہوں۔

مہارتوں کے حصول اور باوقار روزگار، دونوں کے حوالے سے غربت اور عدم مساوات کو کم کرنا ریاست کا فریضہ ہے، بجائے اس کے کہ ایک غیر ذمے دارانہ سرکاری پالیسی اختیار کی جائے جو غربت کو ناکافی انسانی سرمائے سے تعبیر کرے۔ عام اور پیشہ ورانہ اسکولوں میں تعلیم کافی نہیں۔ اس کے ساتھ غریبوں کو ان مواقع سے فائدہ اٹھانے کے لائق بنانے کے لیے اقدامات کرنا بھی ضروری ہے۔ اس میں بالغ افراد کے لیے براہ راست مالی امداد شامل ہے تا کہ ان کے پاس کام کے علاوہ بھی کچھ وقت ہو۔ اس کے علاوہ بچوں کے والدین کی آمدنی اتنی ہو کہ جب بچے بالغ ہوں تو ان کے سامنے وسیع مواقع موجود ہوں۔

مگر یہ صورتحال نہیں ہے۔ اس کی تصدیق ان لاکھوں افراد کی موجودگی سے ہوتی ہے جو چائلڈ لیبر کے طور پر گھر میں یا گھر سے باہر استحصال کا شکار ہیں۔ حکومت کے ماڈل اسکولوں اور پیشہ ورانہ اسکولوں وغیرہ میں کاروباری اداروں کی اپرنٹس شپ کے لیے مہارتوں کے حصول اور تعلیمی اخراجات کے لیے زرِاعانت کے ذریعے یہ کام مؤثر طور پر کیا جاسکتا ہے۔

عالمی روزگار کے لیے سستی لیبر کی پالیسی اتنی ہی ناقابلِ قبول ہے جتنی قومی روزگار کو بڑھانے کے لیے محنت کے معیارات کے اطلاق کے حوالے سے ڈھیلی ڈھالی پالیسی۔ چنانچہ سرکاری اقدام یہ ہونا چاہیے کہ ملک میں اور (اس سے زیادہ) بیرون ملک کم سے کم کافی اجرت کا نفاذ کیا جائے۔ ترسیلات میں اضافہ کے لیے تارکین کو اپنا خاندان چھوڑ کر دوسرے ملکوں میں کم تنخواہ پر جانے پر مجبور کرنا غلط ہوگا۔

پاکستان، بالغ آبادی کی بہت بڑی تعداد کے لیے باعزت روزگار کے مواقع فراہم نہیں کرتا۔ ریاست اور منڈی کی ناکامی کی ایک سادہ مثال لیبر فورس سروے 06-2005ء سے سامنے آتی ہے۔ ایک کروڑ 70 لاکھ سے زیادہ افراد بے روزگار یا بلا اجرت کام کرنے والے گھریلو کارکن ہیں (جن کی تعداد بڑھ رہی ہے)۔ زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ڈھائی کروڑ کم روزگار (underemployed) (35 گھنٹے فی ہفتہ سے کم کام کرنے والے) یا بیش روزگار (overworked) (48 گھنٹوں سے زائد کام کرنے والے) ہیں۔ ان میں 50 لاکھ

بیروزگاروں کا اضافہ کرلیں تو آدھی لیبر فورس بن جاتی ہے۔ اس میں وہ شہری شامل نہیں جن کی منڈی، معاشرہ یا ریاست حوصلہ شکنی کرتا ہے خصوصاً خواتین جو آزادانہ اجرت کے لیے کوشش کرنے میں جھجکتی ہیں۔ یہ بات شاید محض قیاس آرائی پر مبنی نہیں کہ اگر ترسیلات بڑی اور زیادہ محفوظ ہوں تو مردوں کی نقل مکانی سے خواتین کے کام کرنے کی راہ میں اور زیادہ رکاوٹیں پیدا ہوسکتی ہیں۔

ریاست، نظم حکومت میں انصاف کو یقینی بنانے کی کم اہلیت رکھتی ہے اور اس کی دلچسپی اس سے بھی کم ہے۔ کیا باعزت روزگار کے مواقع کے ذریعے ملکی آمدنی بڑھانے کی پالیسی پر توجہ مرکوز کرنے سے غریبوں کی حالت بہتر ہوگی؟ یقیناً اس کا جواب اثبات میں ہے کیونکہ تمام کارکنوں خصوصاً خواتین کے لیے کم از کم کافی اجرت کے نفاذ سے ایسے گھرانوں کی تعداد میں اضافہ ہوجائے گا جو غربت سے چھٹکارا پا سکیں۔ ایک مثال یہ ہے کہ اگر بھٹہ مزدوروں کے خاندان کے دو کارکنوں کو بھی کم از کم اجرت دے دی جائے تو ان مزدوروں میں غربت اور اس کے نتیجے میں جبری مشقت کا خاتمہ ہوجائے گا۔ سماجی تحفظ سب کو فراہم کرنے سے بھی بڑا اثر پڑے گا لیکن محنت کشوں کے رفاہی اداروں میں اس طرح کی بنیادی اصلاحات کے بعد ہی اس کا اثر دیکھنے میں آئے گا جن سے یہ ادارے محنت کشوں کی اکثریت کے لیے مؤثر ہوں اور ان کی ضروریات پوری کرسکیں۔

کیا تخفیفِ غربت پر ترسیلاتی معیشت کے اثرات کو کم سمجھا جارہا ہے؟ یا غربت کی مختلف شکلوں پر؟ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ اثرات بالکل نمایاں نہیں مگر خاصے ہیں۔

اس سوال سے نقل مکانی، ترسیلات اور غربت کے درمیان مزید تجزیوں کو تحریک ملے گی۔ سنجیدگی سے عملی تحقیق کے لیے سرکاری تعلیمی اور تحقیقی اداروں کی توجہ کی ضرورت ہے ،ان میں اے ای آر سی(AERC)، پائیڈ(PIDE)، قائد اعظم یونیورسٹی، ایس ڈی پی آئی(SDPI) شامل ہیں , تاہم لمز (LUMS)، ایس پی ڈی سی(SPDC) اور ایس زابسٹ(SZABIST) جیسے ادارے بھی اس فہرست سے خارج نہیں جو ریاست کی بھاری بالواسطہ زراعانت (جو ایک ایسے مالیاتی ڈھانچے سے ملتی ہے جو ضرورت پڑنے پر اپنے کارپوریٹ عطیہ دہندگان کو فائدہ پہنچاتا ہے) سے کام کررہے ہیں۔ عالمی ادارہ محنت جیسے بین الاقوامی اداروں سے بھی اسی پیمانے کے اقدامات کی ضرورت ہے۔

باکس 8

جنوبی ایشیا کی ریاستیں: روزگار کے حقوق سے محرومی

پچھلے بیس برسوں میں بھارت اور پاکستان کی میری ٹائم سیکورٹی ایجنسیز نے سمندری حدود پار کرنے کے الزام میں ایک دوسرے کے ہزاروں ماہی گیروں کو گرفتار کیا ہے۔ یہ گرفتاریاں بھارت اور پاکستان کے ماہی گیروں کے انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیاں ہیں اور یہ دونوں ملکوں کے سرحدی تنازعات کی آڑ میں کی جارہی ہیں۔ ماہی گیروں کو اپنے گھر واپس جانے کے لیے قیدیوں کے تبادلے کی ایک 'سرکاری' تاریخ کے لیے مہینوں انتظار کرنا پڑتا ہے۔ ماہی گیر عام طور پر سیاسی اور معاشی حقوق سے محروم ہوتے ہیں اور گرفتاری کا ان کے خاندان پر سخت اثر پڑتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ واپس آنے والے ماہی گیر ذہنی وجسمانی طور پر تباہ اور ناکارہ ہوجاتے ہیں۔

پاکستان کی جانب زیادہ تر گرفتاریاں سر کریک میں ہوتی ہیں۔ یہ 96 کلومیٹر کی ایک بحری پٹی ہے جو بھارتی گجرات کے علاقہ کچھ اور پاکستان کے سندھ کے درمیان ہے۔ سر کریک کی سرحد پر بھارت اور پاکستان کا تنازع ہے۔ کریک سے سمندر کے جانب جانے والے بڑے حصے پر دونوں کا دعویٰ ہے، چنانچہ بحری حدود پر کوئی نمایاں نشانات وغیرہ نہیں ہیں۔ چونکہ کوئی دوطرفہ معاہدہ موجود نہیں اس لیے ماہی گیر ایسے علاقے میں چلے جاتے ہیں جہاں وہ گرفتار کیے جاسکتے ہیں۔ ماہی گیروں کے پاس وہ جدید بحری آلات نہیں ہوتے جو انہیں اپنی کشتیوں کی ٹھیک ٹھیک پوزیشن سے آگاہ کرسکیں اور تیز ہوا اور موجوں کی تیزی کی وجہ سے کشتیاں سرحد پار کرسکتی ہیں۔ دونوں ملکوں کی میری ٹائم ایجنسیاں ان مجبوریوں سے بخوبی واقف ہیں اور واضح اعتراف کرچکی ہیں کہ غیر ارادی طور پر سرحد پار کرنے کے امکانات ہیں۔

پچھلے تین سال میں پاکستان نے 2000 سے زائد بھارتی ماہی گیروں کو پکڑا اور چھوڑا ہے جبکہ بھارت نے 500 کو رہا کیا ہے۔ فی الوقت بھارتی جیلوں میں 39 پاکستانی اور پاکستانی جیلوں میں 356 بھارتی ماہی گیر قید ہیں۔

مئی 2005ء میں دونوں ملکوں کے اجلاس کے بعد جس میں کسی سرحد کا تعین نہ ہوسکا، اقوام متحدہ نے انہیں 2009ء تک سرحد کا تعین کرنے کی مہلت دی ہے جس کے بعد اسے کھلا علاقہ قرار دے دیا جائے گا جہاں کوئی بھی جہاز رانی کرسکے گا۔ بحری قانون پر اقوام متحدہ کے کنوینشن مجریہ 1983ء کی شق 73 میں کہا گیا ہے:

’’معقول بانڈ یا کوئی اور ضمانت دیے جانے کے بعد پکڑی جانے والی کشتیوں اور ان کے عملے کو فوراً رہا کیا جانا چاہیے۔ اور متعلقہ ریاستوں کے درمیان کسی معاہدے کی عدم موجودگی میں ایکسکلوسو اکنامک زون میں ماہی گیری کے قواعد وضوابط کی خلاف ورزی کے سزاؤں میں قید یا کسی اور جسمانی سزا کو شامل نہیں کیا جاسکتا۔‘‘

اس کے باوجود دونوں جانب سے گرفتاریوں کا سلسلہ جاری ہے۔ ماہی گیروں کو دو سے تین سال قید کی سزا دی جاتی ہے لیکن وہ آٹھ نو سال تک جیل میں گزارتے ہیں۔ سزا پوری ہونے پر ماہی گیروں کو تھانوں میں منتقل کردیا جاتا ہے جہاں وہ اپنے ملک واپسی کا انتظار کرتے ہیں۔

وطن واپسی اسی صورت میں ہوتی ہے جب دونوں ملکوں کے رہنما ملاقات کرتے ہیں اور رسمی طور پر قیدیوں کا تبادلہ کیا جاتا ہے۔ سرحد کے قریب ماہی گیروں کو گرفتار کرنا دونوں ریاستوں کا ایک غلط سیاسی کھیل ہے جس کا مقصد سرحدوں پر اپنے دعووں کا اظہار کرنا اور یہ نظیر قائم کرنا ہے کہ سمندر کا ایک خاص علاقہ ان کا ہے۔ جب جیسے کو تیسا والا کھیل شروع ہوجاتا ہے تو دونوں ملک گرفتار ماہی گیروں کی تعداد میں ایک دوسرے کی برابری کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور بعض اوقات یہ تعداد پوری کرنے کے لیے بحری حدود بھی پار کرجاتے ہیں۔

سیکورٹی ایجنسیاں اور کوسٹ گارڈز عام طور پر ماہی گیروں کی پکڑی ہوئی مچھلیاں اور کشتیاں ضبط کرلیتے ہیں۔ بعد میں کشتیوں کو نیلام کردیا جاتا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ سیکورٹی ایجنسیاں مچھلیوں اور کشتیوں کی فروخت سے ملنے والی رقم اپنی جیب میں ڈال لیتی ہیں۔ یہ ماہی گیروں کے لیے ایک اور دھچکا ہوتا ہے اور واپسی پر ان کے پاس کشتی بھی نہیں ہوتی کہ وہ کام کرسکیں۔

ایک اہم کمانے والے کی طویل مدت تک قید کے کنبے پر تباہ کن اثرات ہوتے ہیں۔ بیشتر خاندان اپنے بچوں کو اسکول سے نکال لیتے ہیں اور انہیں نوکریوں پر لگا دیتے ہیں جہاں وہ بہت معمولی رقم کماتے ہیں۔ چونکہ کوئی منظم رفاہی نظام موجود نہیں اس لیے یہ کنبے برادری کے لوگوں سے قرضے لیتے ہیں۔ آخر برادری کی برداشت بھی ختم ہوجاتی ہے اور یہ کنبے تحقیر وتضحیک کا نشانہ بننے لگتے ہیں۔ عورتیں اور بوڑھے مجبور ہوکر محنت مزدوری کرنے نکلتے ہیں جس سے گزارہ نہیں ہوتا۔ کچھ خاندان بھیک مانگنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔

حقوق روزگار کی ریاستی خلاف ورزیاں: بھارتی اور پاکستانی ماہی گیروں کی قید

باکس 9

غذائی خودمختاری اور زرعی اصلاحات

ریاست کو زرعی اصلاحات اور غذا کی پیداوار کی پالیسیوں میں مضبوط کردار ادا کرنا چاہیے۔ ریاست کو ایسی پالیسیاں لاگو کرنی چاہئیں جن میں حقوق کو تسلیم کیا جائے اور زمین، ساحلی علاقوں، جنگلات وغیرہ تک رسائی کو عام کیا جائے۔ مزید برآں، ریاست کو قدرتی وسائل پر کاشتکاروں، ماہی گیروں، چرواہوں اور جنگل کی مقامی آبادیوں نیز مقامی افراد کے اجتماعی کنٹرول کی ضمانت دینی چاہیے تاکہ وہ اپنے اجتماعی حقوق کی رو سے دیہات اور ساحلوں پر رہ سکیں۔ زرعی اصلاحات ایسی ہونی چاہئیں کہ باعزت ملازمتیں اور

پیداواری پیشے پیدا ہوں اور دیہی کارکنوں کے حقوق مستحکم ہوں۔ ریاستوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی زرعی، ماہی گیری اور غذائی پالیسیاں اس طرح ترتیب دیں کہ تمام آبادی کو غذا اور دیگر معاشی، سماجی اور ثقافتی حقوق کی ضمانت مل سکے۔ چھوٹے پیمانے کے پیدا کنندگان کو کم شرح سود پر اور مقامی حالات کے مطابق قرضوں تک رسائی ملنی چاہیے اور منصفانہ نرخ اور منڈی کے مساویانہ حالات بھی ان کی پہنچ میں ہونے چاہئیں۔ فصلوں کی کٹائی اور مقامی اور علاقائی منڈیوں کو ترسیل سے متعلق تحقیق اور امداد کے نظاموں میں ریاست کی مدد ملنی چاہیے اور یہ نظام ایسے ہونے چاہئیں مشترکہ بھلائی کے لیے کام کریں۔

ایسی زرعی اصلاحات ناقابلِ قبول ہوں گی جو صرف زمین کی تقسیم پر مبنی ہوں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ نئی زرعی اصلاحات میں ایک آفاقی نقطۂ نظر کے تحت کسانوں، بے زمین ہاریوں، مقامی افراد، دیہی کارکنوں، ماہی گیروں، خانہ بدوش چرواہوں، قبائل، نسلی اقلیتوں اور غریب الوطن افراد کو شامل کیا جانا چاہیے کیونکہ ان افراد کے کام کی بنیاد غذا کی پیداوار ہے اور یہ مادر گیتی سے اور سمندروں سے احترام اور ہم آہنگی کا رشتہ رکھتے ہیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ زراعت اور ماہی گیری میں اور قدرتی وسائل کے استعمال و انتظام میں خواتین کا بنیادی کردار ہے۔ جب تک صنفی مساوات کا لحاظ نہ رکھا جائے، حقیقی معنوں میں زرعی اصلاحات نہیں ہوسکتیں۔ اس لیے ہم یہ مطالبہ اور اس عزم کا اظہار کرتے ہیں کہ زمین اور قدرتی وسائل پر خواتین کے لیے یکساں مواقع اور حقوق کو یقینی بنائیں گے، ان کے تنوع کو تسلیم کریں گے اور یہ کہ دیہی خواتین کے خلاف ماضی کے امتیازی سلوک اور سماجی محرومیوں کا ازالہ کیا جائے گا۔ ہم یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ دیہات میں مقیم نوجوانوں کے بغیر ہمارے معاشروں کا کوئی مستقبل نہیں۔ نئی زرعی اصلاحات میں خواتین کے حقوق اور آج کے دیہی نوجوان کے باوقار مستقبل، دونوں کی ضمانت دی جانی چاہیے۔

حتمی اعلامیہ (Final Declaration)

منتخب حوالہ جات:

انجم الطاف اور عبیداللہ، The Spatial Pattern of International Labour Flows from and to Pakistan, Pakistan Development Review، اسلام آباد، 1992ء۔

انجم الطاف، The Political Implications of Migration from Pakistan: A Note، ساؤتھ ایشیا بلیٹن، 1982ء۔

اے.ارسلان، Unfree Labour in South Asia: Debt Bondage in Brick Kilns in Pakistan، اکنامک اینڈ پولیٹیکل ویکلی، 2004ء۔

اے. ارسلان، Income Inequality in Rural Pakistan، پاکستان جرنل آف اپلائیڈ اکنامکس، جامعہ کراچی، 1984ء۔

حکومت پاکستان، زراعت شماری

——————، اکنامک سروے

——————، پاکستان انٹی گریٹڈ ہاؤس ہولڈ سروے

——————، مردم شماری

ہاجرہ حمید اور کیرن ایسٹرڈ سیگمین، Migration - Addressing or Importing Risk?، ایس ڈی پی آئی ریسرچ اینڈ نیوز بلیٹن، 2007ء۔

عالمی ادارہ محنت، عالمی لیبر نقل مکانی شماریات
www.ilo.org/public/english/protection/migrant/ilmdb/stats.htm

عالمی ادارۂ نقل مکانی، www.iom.int

ایم .عرفان، Redesigning OPF for Better Governance، یواین ڈی پی کے لیے تحقیق، اسلام آباد، 2001ء۔

لائیرز فار ہیومن رائٹس اینڈ لیگل ایڈ، Prospective Migrants: An Action Research، کراچی، تاریخ درج نہیں۔

ایس. ایم . نسیم، Underdevelopment, Poverty and Inequality in Pakistan، لاہور، 1991ء۔

پیپلز سارک، State Violations of Livelihood Rights: Imprisonment of Indian and Pakistani Fishermen، کراچی، 2007ء۔

گائی اسٹینڈنگ، Migration & Modes of Exploitation: Social Origins of Immobility and Mobility، جرنل آف پیزنٹ اسٹڈیز، 1981ء۔

بینک دولت پاکستان، Economic Data: External Account, http://www.sbp.org.pk/ecodata/index2.asp

اقوام متحدہ، International Migrant Report, www.un.org/esa/population/publications/

اقوام متحدہ، Information Kit on the United Nations Convention on Migrant Rights,

جنوبی ایشیا میں غربت کا خاتمہ

پاکستان میں محفوظ ذریعۂ معاش کے لیے زمین

پاکستان کے دیہات میں شدید غربت ہے۔ معاشی منتظمین اور ان کے سکھانے پڑھانے والوں کے لیے یہ وسائل کی قلت کا مسئلہ ہے جو منڈی کی اصلاحات اور معاشی نمو کے ذریعے ہی حل ہوسکتا ہے۔

ذوالفقار علی بھٹو کی زرعی اصلاحات کی دوسری کوشش سنجیدگی سے کی گئی تھی۔ جنرل ضیا کی حکومت میں ان اصلاحات کو سختی سے ختم کردیا گیا اور بعد میں آنے والی تمام حکومتوں نے اس مسئلے کو نظر انداز کردیا۔ کیا یہ امید کی جاسکتی ہے کہ نوڈیرو اور رائے ونڈ اس رجحان کو تبدیل کریں گے؟ معزول عدلیہ معاشی مساوات کے لیے انصاف پر زور دے گی؟

خوش امیدی کے ساتھ دیکھا جائے تو شفاف اور منصفانہ انتخابات زرعی اصلاحات کے بارے میں دوبارہ مباحثے کا آغاز کرسکتے ہیں، نہ صرف غربت ختم کرنے کے لیے بلکہ حقیقی جمہوریت کے لیے۔ اگر یہ عمل اب نہیں ہوگا تو کب ہوگا؟

غریب لوگوں کو بخوبی علم ہے کہ ان کی تکالیف کا سبب زمین کی ملکیت میں انتہائی عدم مساوات ہے۔ سرکاری اعدادوشمار میں حیرت انگیز طور پر اس کا اعتراف کیا جاتا ہے۔ گزشتہ زراعت شماری میں نوے فیصد افراد بے زمین تھے۔ زمینداروں میں نیچے کے دوتہائی کی ملکیت میں بیس فیصد سے بھی کم زمین ہے جبکہ اوپر کے پانچ فیصد ایک تہائی زمین پر قابض ہیں۔ یہ لرزہ خیز عدم مساوات ہے اور شہری ''نمو'' سے اس سے بھی بڑے مردار خور گدھ پیدا ہورہے ہیں۔

سماجی عدم مساوات کے اسباب میں ریاستی زرعی اراضی اور جمہوریت کی رہنمائی کرنے پر انعام میں اراضی حاصل کرنے والے افراد شامل ہیں۔ 80 ہزار ایکڑ ساحلی زمین کا امیر طبقے کے لیے کھیل کا میدان بن جانا اور زیادہ شرمناک بات ہے۔ اس سے ماہی گیروں کا روزگار کم اور تباہ ہوجائے گا۔

اسلام آباد کے فربہ لوگ خستہ حال شہریوں کی فریاد کب سنیں گے؟ گوادر کے معاملے کو تو ایک طرف رکھیے، جنرلوں کے لیے چین کی حمایت اس لحاظ سے عجیب لگتی ہے کہ یہ وہ ملک ہے جس نے دیوار چین کے دوسری جانب رہنے والے محروموں کو جرأت وتحریک دلانے والا ماؤ جیسا لیڈر پیدا کیا۔

زراعت کو کارپوریٹ فارمز کی شکل میں انتہائی جدید مشینوں سے اجرتی لیبر کے ذریعے چلایا جائے تو غربت بڑھے گی، جیسا کہ پروفیسر جان بریمن نے ایشیائی ترقیاتی بینک اور حکومت سندھ کو بتایا، خصوصاً شہری محنت کشوں کی اجرتوں اور باوقار کام سے محرومی کے پیش نظر۔

اس مقالے میں کچھ سوال اٹھائے گئے ہیں اور کچھ تجاویز کا جواب دیا گیا ہے۔ اس کا مقصد واشنگٹن کے نوقدامت پسندوں اور منیلا میں ان کے شاگردوں کے علاوہ پاکستان میں ریاستی اور غیر ریاستی اداروں کی تجاویز سے ہٹ کر ایک مجوزہ سرکاری اقدام کی حمایت کرنا ہے، جو تمام محاذوں پر جنگ لڑنے کو بخوشی تیار رہتے ہیں سوائے غربت اور عدم مساوات کے خلاف۔ جب تک معاشی انصاف بنیاد نہ بنے انتخابی جمہوریت ڈھونگ ہی رہے گی۔

حقیقی معنوں میں شہریت اس کو کہیں گے کہ غربت اور دیگر امتیازی برتاؤ سے تحفظ حاصل ہو۔ کئی وجوہات ہیں جو اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ صرف آمدنی کی تقسیم نہ ہو بلکہ اثاثوں کی بھی تقسیم ہو۔ جو لوگ اس مؤقف پر شک کرتے ہیں وہ اسلام آباد کے سیفٹی نیٹس میں رہیں۔

دیہی آبادی کو بنیادی حقوق دلوانے کے لیے زمینی اصلاحات اچھا ذریعہ ہیں۔ آمدنی کی غربت سے چھٹکارا پانے کے لیے کم سے کم کتنی زمین کی ضرورت ہوگی؟ کیا اتنی قابل کاشت زمین دستیاب ہے کہ تمام دیہی شہریوں کو کم سے کم زمین فراہم ہو سکے؟ کم سے کم پیداوار کو یقینی بنانے کے لیے مزید کن اقدامات کی ضرورت ہوگی؟ اگر زمین کی منتقلی سے مسئلہ حل نہ ہو تو کیا کیا جائے؟

کم سے کم زمین سے متعلق ایک نقطۂ نظر فصلوں اور مویشی بانی سے حاصل ہونے والے جی ڈی پی پر مبنی ہے۔ 15,000 روپے فی کس کے حساب زمین غربت کی ایک نچلی حد سے کہیں زیادہ فراہم کر سکتی ہے مثلاً 10,000 روپے۔ ایک سماجی وسیلے کے طور پر کافی زمین دستیاب ہے۔ زمینی خطِ افلاس (بطور جی ڈی پی فی ایکڑ) لگ بھگ ایک تہائی ایکڑ فی کس ہے جبکہ 5 کروڑ کاشت شدہ ایکڑ سے نصف ایکڑ فی کس حاصل ہوتا ہے۔

ایک اور طریقہ یہ ہے کہ سرکاری خطِ افلاس بلحاظ آمدنی کو بطور بنیاد استعمال کیا جائے، 2000 حرارے یومیہ فی کس کے حوالے سے آمدنی اور نرخوں کا حساب۔ کتنی زمین اس کم سے کم مقدار کو یقینی بنا سکے گی؟

ایک زیادہ حرارے والی چیز کی حیثیت سے گندم کو لیا جا سکتا ہے۔ 1000 کلو فی ایکڑ پیداوار سے ظاہر ہوتا ہے کہ 200 کلو فی کس کی سالانہ ضرورت ایک تہائی ایکڑ فی کس سے پوری کی جا سکتی ہے۔ یہ وہی عدد ہے جو پہلے تخمینے میں آیا تھا۔ اگر دوسری پیداوار سے بھی اتنی ہی مقدار ملے تو اس حد کو نصف کیا جا سکتا ہے اور مزید بے زمین افراد کو فائدہ پہنچایا جا سکتا ہے۔

عالمی حقوق دیے جائیں تو صنفی تفریق ختم ہو جائے گی۔ اسی طرح لڑکیوں کو بھی اثاثوں میں حصہ ملے گا جو جنوبی ایشیائی پدری ماحول میں کوئی معمولی کارنامہ نہ ہوگا۔

زمین برائے آمدنی کی اس تجویز میں یہ فرض کیا گیا ہے کہ حقیقی آمدنی کو خطِ افلاس بلحاظ اخراجات کے حوالے سے سرکاری اقدامات کے ذریعے تحفظ ملے گا۔ قرضوں کے باعث جبری مشقت کے خلاف تحفظ کے لیے ضروری ہے کہ خراب فصلوں کی صورت میں غیر زرعی آمدنی یقینی بنائی جائے۔ فصلوں کے اچھے اور خراب ہونے کا ایک خاص سلسلہ ہوتا ہے۔ اس کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے چنانچہ اراضی کے خطِ افلاس کو بلند کرنا ہوگا۔ کم از کم ریاست کو پیداواریت کم نہیں کرنی چاہیے جس کی مثالیں آب پاشی کے ناکام منصوبے ایل بی او ڈی اور مستقبل کا آر بی او ڈی اور بجلی کی قلت کے شکار شہروں کے لیے غازی بروتھا ہائیڈرو پاور پروجیکٹ ہے۔

زرعی اصلاحات ہاریوں سے شروع ہو سکتی ہیں جو غربت کی بنا پر جبری مشقت یا اس سے بھی بدتر حالات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اگر خالص آمدنی مساوی طور پر تقسیم نہ کی جائے تو کم سے کم ملکیت دو تہائی ایکڑ فی کس ہوگی۔ چونکہ حصے تقسیم کرنے میں گھپلا کیا جاتا ہے اس لیے جن کھیتوں پر کھیت مزدور کام کرتے ہیں وہ ایک ایکڑ فی کس سے زیادہ ہونے چاہئیں۔

اس قسم کے کھیتوں کی اکثریت 7.5 ایکڑ سے کم ہے جس سے 7 یا اس سے زیادہ افراد کے لوگوں کا گزارہ ہوتا ہے۔ اس وجہ سے یہ ضروری ہوگا کہ کھیت مزدوروں کو غربت سے نجات پانے کے لیے آمدنی میں زیادہ حصہ چاہیے ہوگا یا پھر کھیت بڑا ہو۔ زمیندار کے لیے مخدوش نقد آور فصلوں کے خطرے کو دور کرنے کے لیے گزارے کے لیے علیحدہ زمین ہونا ضروری ہے تاکہ خوراک کی ضروریات پوری ہوتی رہیں۔

امدادِ باہمی کی زرعی انجمنیں (فارمنگ کوآپریٹوز) کیوں نہ قائم کی جائیں؟ اس سے خواتین کا حق ملکیت محفوظ رہے گا اور فی اکائی لاگت کم ہو جائے گی۔ اس صورت میں زمینی خطِ افلاس کو کم کیا جا سکتا ہے۔ اس ضمن میں رکاوٹ صرف سماجی تعاون کی حدود کے حوالے سے ہو سکتی ہے۔

ملک کے اوسط اعدادوشمار میں بہت سے تغیرات چھپے ہوتے ہیں جو سرکاری اقدامات کے متقاضی ہوتے ہیں۔ چونکہ نقل مکانی سے تارکین اور میزبان مقامی آبادی کے لیے مسائل پیدا ہوتے ہیں اس لیے اراضی کی تقسیم نو ایک ہی ضلع تک محدود ہونی چاہیے۔ زمین کی حد کچھ بھی ہو کم یا زیادہ پیداواریت کا لحاظ رکھا جانا چاہیے۔

ضلعی پیداواریت کی حدود بہت فرق ہے،مثلاً بارانی کاشت کے علاقے کرک میں 100 کلو گندم فی ایکڑ جو نہری آب پاشی کے علاقے نوابشاہ کے مقابلے میں پیداواریت کا دس فیصد سے بھی کم ہے۔ آبادی کی منتقلی محدود ہونے کی وجہ سے کم زمین والے علاقوں کو پیداواریت بڑھانے اور غیر زرعی اثاثے اور آمدنی میں اضافے کے لیے امداد کی ضرورت ہوگی۔ زیادہ زمین والے علاقوں میں یہ کیا جاسکتا ہے کہ نقل مکانی کرنے والوں کو شامل نہ کیا جائے۔

سپریم کورٹ کی شریعت بنچ نے یہ رولنگ دی ہے کہ حکومت زمین پر قبضہ کرے تو اس کے لیے منڈی کی قیمت دے۔ لیکن حکومت میگا پروجیکٹس میں اس رولنگ کو مسلسل نظر انداز کرتی ہے۔ کیا زرعی اصلاحات کی حدود کے معاملے میں بھی حکومت یہی کرے گی؟ کیا زمین پر قبضے کے لیے سود سے پاک طویل مدتی بانڈ جاری کیے جاسکتے ہیں؟

جو غریب ایک نسل تک بھی زمین کی قسطیں ادانہیں کرسکتے ان کے لیے زراعانت کی ضرورت ہوگی۔ یہ ہوسکتا ہے کہ اضافی زمین چھوڑنے پر بڑے زمینداروں کو زرعی آمدنی پر ٹیکس سے زندگی بھر کی چھوٹ دی جاسکے۔

بڑے پیمانے پر زرعی اصلاحات کرنے کے بجائے حکومت غریب افراد کو کم سے کم زمین دینے سے آغاز کرسکتی ہے۔ کم از کم ایک تہائی دیہی آبادی کو غربت سے نجات پانے کے لیے ایک کروڑ ایکڑ درکار ہوں گے۔ سب کو زمین دینے کے مقابلے میں مخصوص گروپوں کو بانٹنے سے یہ سارا عمل بے اثر ہوسکتا ہے کیونکہ اس میں زمینیں غلط ناموں سے لے لی جاتی ہیں۔

یہ عمل سرکاری زمین اور بڑے زمینداروں سے شروع کیا جاسکتا ہے اور جب عوامی حمایت حاسل ہوجائے تو مقامی مخالفت پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ لیکن زمین حاصل کرنے کے لیے 50 ایکڑ سے کم کے زمینداروں کو شامل کرنا ہوگا تاوقتیکہ پیداواریت بڑھانے میں (سابق) بے زمین افراد کی مدد نہ کی جائے، غیر زرعی اثاثے یا محفوظ روزگار فراہم نہ کیے جائیں۔

زمین کی تقسیم کے معاملے میں تیز عوامی اقدامات کے مقابلے میں، مغربی بنگال اور کیرالہ، سُست حکومتی اقدامات کی مثالیں ہیں۔ نیپال میں ماؤنواز علاقے ایک اور مثال ہیں۔ پالیسی ساز پاکستان کے بارے میں ایشیائی ترقیاتی بینک کے نقطۂ نظر کو کیوں پیش کرتے ہیں جبکہ مغرب کے مقابلے میں مشرق میں زیادہ مسلمان رہتے ہیں؟

یہ مضمون سماجی انصاف کی مہم کے سلسلے کا ایک مقالہ ہے جس کی بنیاد علی ارسلان اور نرما وسیم کا تیار کردہ ایک پالیسی نوٹ ہے۔ یہ مضمون روز نامہ 'ڈان' کی 10 فروری کی اشاعت میں شائع ہوا۔